فضائلِ اخلاق

اخلاق سے متعلق چالیس فرمودات جن میں اچھے اخلاق اختیار کرنے اور برے وذموم اخلاق سے چھٹکارا حاصل کرنے کی فضیلت اور اس کی اہمیت ذکر فرمائی گئی ہے۔

تالیف:

مفتی عبیدالرحمٰن صاحب، مردان

رئیس دارالافتاء والارشاد، مردان

مکتبہ دارالتقوی، مردان

0300-9326101

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب: ------فضائلِ اخلاق

مصنف: --------مفتی عبید الرحمان صاحب، مردان

صفحات: --------۱۰۴(تقریباً)

تاریخِ اشاعت: --------

تعداد: ---------

ناشر: ----------دارالافتاء والارشاد، مردان

ملنے کا پتہ: دارالافتاء والارشاد، مردان: 03009326101

فہرست

اچھے اخلاق کا عظیم اجر و ثواب

عَنْ عَائِشَةَ رَحِمَهَا اللّٰہُ، قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ»[1]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتي ہے: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ مؤمن آدمی اپنے اعلی اخلاق سے روزہ دار اور تہجد گذار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح نماز، روزہ عبادت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، یوں ہی اچھے اخلاق بھی دین کا اہم حصہ ہے اور اس سے اللہ تعالی کی قربت حاصل کی جاسکتی ہے۔ ایک شخص مستقل روزہ دار اور عبادت گزار ہے اور دوسرا شخص زیادہ نفلی عبادت تو نہیں کرتا لیکن اخلاق درست رکھتا ہے تو ان اچھے اخلاق کی بدولت اس کو عبادت گزار شخص جیسا ثواب ملے گا۔ اچھے اخلاق کی برکت سے دیگر عبادات کے اثر اور ثواب میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے جس طرح بداخلاقی کی وجہ سے نیک اعمال اور اچھے عبادات کا اثر اور ثواب متاثر ہو جاتا ہے۔

---

[1] سنن ابي داؤد: (كتاب الادب، باب في حسن الخلق، ج٤، ص٢٥٢)

اعمال کے ترازو میں سب سے وزنی عمل

عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ»[1]

ترجمہ: حضرت ابو درداءؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میزانِ اعمال میں اچھے اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں۔

فائدہ: یہ حدیث بیوی اپنے شوہر سے نقل کررہی ہے، صحابہ کرام کی زندگیوں سے یہ بھی ایک سیکھنے کی بات ہے کہ میاں بیوی، ماں بیٹے کے درمیان دینی اعمال وتعلیمات کے مذاکرے ہوتے رہتے تھے، اور سچی بات یہ ہے کہ گھر کی چاردیواری میں جب تک دین کا اور دینی تعلیمات کا مذاکرہ ہوتا رہے گا، اس وقت اس گھرانہ اور معاشرے میں دین کی باتیں زندہ ہوں گی اور اگر گھر کی حدود میں دینی مذاکرہ کا رواج ختم ہو جائے تو پھر دنیا جہاں کے تذکرے شروع ہوں گے جن سے دلوں میں ویرانی پیدا ہو گی اور دین کی قدریں پامال ہوتی رہے گی۔

اس حدیث میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ قیامت کے دن جب انسانوں کے نامہ اعمال تولے جائیں گے اور ان کی بنیاد پر جنت وجہنم کے فیصلے طے پائیں گے، اس وقت مسلمان کے نامہ اعمال میں سب سے زیادہ وزنی چیز اچھے اخلاق ہوں گے۔ اگر کوئی مسلمان دنیا میں نیک اخلاق وعادات کا خوگر رہا اور استقامت کے ساتھ ایسے ہی بھلے اخلاق پر ثابت قدم رہا تو اس کی نیکیوں کا پلہ غالب ہو جائے گا اور جنت جانے کا مستحق قرار پائے گا۔ نیکیوں کے ترازو کے وزنی

---

[1] سنن ابي داؤد: (كتاب الادب، باب في حسن الخلق، ج٤، ص٢٥٣)

کرنے میں دیگر نیک کاموں کی بنسبت اچھے اخلاق کا خاص کردار ہے، اس سے دیگر نیکیوں کی اہمیت گھٹانا مقصود نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ ساتھ اچھے اخلاق کی اہمیت واضح کرنی مطلوب ہے۔ پھر جس طرح نیک اخلاق دیگر نیکیوں کی بنسبت ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں، یوں ہی برے اخلاق دیگر برائیوں کے مقابلے میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔

بداخلاقی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ذریعہ

عن أم الدرداء، عن أبي الدرداء، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما شيء أثقل في ميزان المؤمن يوم القيامة من خلق حسن، وإن الله ليبغض الفاحش البذيء.[۱]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مؤمن کی میزان عمل میں اچھے اخلاق سے زیادہ بھاری (وزنی) کوئی چیز نہیں ہوگی، پس بیشک اللہ تعالیٰ بدگو بیہودہ بکنے والے کو نہایت ناپسند کرتے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث میں بھی اچھے اخلاق کی بے پناہ فضیلت بیان فرمائی گئی ہے کہ قیامت کے دن مسلمان کے نامہ اعمال میں سب سے زیادہ وزن دار چیز اچھے اخلاق ہوں گے۔ اچھے اخلاق کی اس گراں قدر فضیلت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ صرف ایک نیکی ہی نہیں ہے بلکہ دیگر نیکیوں کا بھی سرچشمہ ہے، چنانچہ کسی کو اچھے اخلاق کی دولت نصیب ہو تو وہ کسی سے حسد وبغض نہیں رکھے گا، بدگمانی،

---

[۱] سنن الترمذي ت بشار: (أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، باب ما جاء في حسن الخلق، ج۳، ص۴۳۰)

بدزبانی، بدنظری کے قریب جانے سے خودبخود رکے گا، مسلمان کو حقیر سمجھنے، اس کی حق تلفی کرنے سے باز رہے گا۔

حدیث کے اگلے جملے میں یہ ارشاد بھی فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالی فاحش اور بدزبان شخص سے صرف یہ نہیں کہ محبت نہیں کرتے بلکہ ساتھ بغض بھی کرتے ہیں۔ دنیا وآخرت کی مصیبتوں میں سے سب سے بڑی مصیبت اور نہایت بڑی محرومی یہ ہے کہ کسی پر اللہ تعالیٰ کی بغض و پھٹکار پڑے، اس کی وجہ سے خیر و بھلائی کے سارے دروازے بند ہوجاتے ہیں، دنیا میں مقبول عبادات کی توفیق سلب ہوجاتی ہے، گناہوں سے نفرت و بغض کا تعلق بھی کمزور ہو جاتا ہے جس کے بعد گناہوں سے بچے رہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے، یوں دنیا میں دین سے دوری ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے دنیا بھی برباد ہوجاتی ہے اور آخرت تو ہے ہی بدلے کا گھر، وہاں تو سارے اعمال بد کی اصل سزا ملے گی۔ اس لئے یہ کیا حماقت ہے کہ ان تمام نقصانات کو سر لے لیا جائے! جبکہ ان سے بچنے کی تدبیر بھی کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے، وہ یہی ہے کہ اپنے اخلاق کی اصلاح کر لے اور اچھے اخلاق وصفات کو دل میں جگہ دیا جائے۔

جھگڑا چھوڑنے پر جنت کی ضمانت

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا، وَبِبَيْتٍ فِي وَسَطِ

الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَإِنْ كَانَ مَازِحًا وَبِبَيْتٍ فِي أَعْلَى الْجَنَّةِ لِمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ»[۱]

ترجمہ: حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ میں جنت کے اطراف میں ایک گھر کا ضامن اس شخص کے لئے جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے، اور جنت کے وسط میں ایک گھر کا ضامن ہوں اس شخص کے لئے جو مذاق و مزاح میں بھی جھوٹ بولنا چھوڑ دے، اور اعلیٰ جنت میں ایک مکان کا ضامن اس شخص کے لئے جو اپنے اخلاق درست کرے۔

فائدہ: اس روایت مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ نے تین قسم کے افراد کے لئے آخرت میں گھر کی ذمہ داری اٹھائی ہے، پہلا اس شخص کے لئے جو جھگڑا کرنا چھوڑ دے اگرچہ وہ حق ہی پر ہو، ایسے شخص کے لئے جنت کے قریب گھر کی ذمہ داری اٹھائی ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو بہر حال جھوٹ بولنے سے بچتا ہے اگرچہ مزاح میں ہی ہو، ایسے شخص کے لئے جنت کے وسط میں گھر کی ذمہ داری لی گئی ہے۔ تیسرا وہ شخص ہے جو شرعی تعلیمات کے مطابق اپنے اخلاق کی درستگی کر کے اس کو سنوارتا ہے، ایسے شخص کے لئے آپ ﷺ نے جنت کے اوپر کے درجے میں گھر کی ذمہ داری اٹھائی ہے۔ ہر حال میں لڑنے، جھگڑنے سے بچا رہنا خاصا مشکل کام ہے، خاص کر جب آدمی حق پر بھی ہو اور ناحق کوئی دعوی

[۱] سنن ابي داؤد: (كتاب الادب، باب في حسن الخلق، ج٤، ص٢٥٣)

کرے، ایسے موقع پر حق کی قربانی دینا اور جھگڑنے سے اپنی حفاظت کرنا کافی مشکل کام ہے۔

جنت جانے سے محروم دو افراد

عَنْ حَارِثَةَ ابْنِ وَهْبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَّاظُ وَلَا الْجَعْظَرِيُّ»[1]

ترجمہ: حضرت حارثہ بن وہبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ جنت میں بد خلق و بد لحاظ اور مغرور و متکبر شخص داخل نہیں ہو گا۔

فائدہ: اس حدیث مبارکہ میں دو افراد کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ ان میں سے ایک شخص وہ ہے جس کو یہاں حدیث شریف میں "جواظ" کہا گیا ہے، اس کا معنی بعض محدثین نے تکبر کرنے والے سے کیا ہے، بعض نے یہ فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو مال بہت رکھتا ہو لیکن (نیکی کے راستوں میں) بالکل خرچ نہیں کرتا، بعض نے فضول میں زیادہ اور تیز باتیں کرنے والے کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا ہے۔ دوسرا شخص جس کے بارے میں یہ پیش گوئی فرمائی گئی ہے کہ وہ جنت نہیں جائے گا، وہ "جعظری" ہے، محدثین کے نزدیک اس سے مراد سخت رُو، تکبر کرنے والا شخص ہے۔ بہر حال کبر و تکبر ہو یا سخت مزاجی، دونوں ہی اخلاقی کمزوریاں ہیں اور دونوں کے نقصان کا یہ عالم ہے کہ اس کی وجہ سے انسان جنت جانے سے محروم رہ جاتا ہے۔

---

[1] سنن ابي داؤد: (كتاب الادب، باب في حسن الخلق، ج٤، ص٢٥٣)

ایک مسلمان کے بیدار وپریشان ہونے کے لئے اتنی بات بہت ہے کہ جس چیز کی وجہ سے جنت جانے میں خطرہ پیدا ہو جائے، اس سے مسلمانوں کو میلوں دور بھاگنا چاہئے۔ جس طرح آگ میں کودنے، سمندر میں گرنے اور بجلی کا کرنٹ لگنے سے ڈرا جاتا ہے اور اس کے مارے ان خطرات کے قریب جانے سے بھی ہر عقل مند دور ہی رہتا ہے، یوں ہی جن گناہوں اور بداخلاقیوں کی وجہ سے جہنم جانے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہو، ان سے بھی دور دور رہنے ہی میں عافیت ہے۔ دونوں میں اگر کچھ فرق ہے تو یہی ہے کہ ایک طرف نتیجہ آنکھوں سے نظر آرہا ہے، اس لئے اس پر پختہ یقین ہے اور کوئی زبردستی بھی ان خطرات کی جگہ میں لے جانا چاہے، تو بھی ہر عقل مند شخص بہر قیمت اس سے اپنے آپ کو بچانے ہی کی فکر کرتا ہے اور اس کے لئے جان کی بازی لگانے میں بھی بخل سے کام نہیں لیتا اور دوسری طرف کوتاہی کرنے کا جو نتیجہ ہے، وہ ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا، اس لئے اس پر پوری طرح یقین نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ بات آپ ﷺ کے زبان مبارک سے صادر ہوئی ہے جہاں نہ غلطی کا امکان ہے اور نہ خطاء اور مغالطہ کا امکان اور آگ وسمندر میں گرنے کا نتیجہ آنکھوں سے معلوم ہوتا ہے جو بکثرت غلطی کی بھی شکار ہو جاتی ہیں۔

جنت و جہنم کے زیادہ تر اسباب

عن أبي هريرة قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أكثر ما يدخل الناس الجنة، فقال: تقوى الله وحسن الخلق، وسئل عن أكثر ما يدخل الناس النار، فقال: الفم والفرج.[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: لوگوں کو جنت میں پہنچانے والی چیزوں میں سب سے زیادہ مؤثر کیا چیز ہے؟آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اچھے اخلاق برتنا، پھر پوچھا گیا: لوگوں کو جہنم میں لے جانے والی چیزوں میں سب سے زیادہ مؤثر کیا چیز ہے؟آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: منہ اور شرمگاہ کے گناہ۔

فائدہ:اس حدیث شریف میں اکثر لوگوں کے جنت جانے کے بھی دو بڑے اسباب بیان فرمائے گئے ہیں اور جہنم جانے کے بھی دو اساسی اسباب ذکر فرمائے گئے ہیں۔ حضرات صحابہ کرام کا امت پر ایک بڑا احسان یہ بھی ہے کہ تقریباً تمام اہم باتوں کے متعلق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات کئے، مشکل باتوں کا حل دریافت کرتے رہیں جس کی برکت سے امت کو علم وعمل کے میدانوں میں بڑی رہنمائی کا سامان نصیب ہوا۔ جنت میں جو لوگ جائیں گے،ان میں سے اکثر کے جنتی ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہوگی کہ ان کے دل میں اللہ تعالی کا خوف وتقوی ہوگا اور انہوں نے اپنے اخلاق کو درست کرلیا ہوگا۔یوں تو یہ دونوں چیزیں الگ الگ شمار

[1] سنن الترمذي ت بشار:(أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، باب ما جاء في حسن الخلق،ج۳،ص۴۳۱)

کئے جاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی کا خوف و تقوی ہی ہے جس سے صحیح معنی میں اخلاق کی درستگی ممکن ہوسکتی ہے، چنانچہ اخلاقی بگاڑ کا ایک بڑا سبب خواہشات کی تابعداری اور اپنے جی کو چاہنا، اس کے بارے میں خوش اعتماد رہنا ہے اوران چیزوں کی جڑیں کاٹنا تبھی گوارا ہوسکتا ہے جب دل میں اللہ تعالیٰ کا مضبوط خوف و تقوی موجود ہو۔

حدیث شریف سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ محض زبانی تقوی یا اللہ تعالی کے خوف وخشیت کا دعوی کرنا کافی نہیں ہے جب تک اس کے تقاضا پر عمل نہ کیا جائے اور اس کا تقاضا یہی ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق پورے دین کو اپنے عمل میں لایا جائے، اپنی زندگی کو دینی تعلیمات کے حسین سانچے میں ڈھال کر سنوار دیا جائے۔ اس حدیث مبارکہ کے دوسرے ٹکرے میں جہنم جانے کے دو بڑے اسباب ذکر کئے گئے ہیں کہ زبان اور شرمگاہ کا غلط استعمال ہی وہ بڑا گناہ اور عظیم جرم ہے جس کی وجہ سے اکثر لوگ جہنم جائیں گے۔ ہم غور کریں کہ ان دو چیزوں کے غلط استعمال کرنے کا فائدہ کیا ہے اور پھر اس کا نتیجہ کتنا ہولناک اور وحشتناک ہے؟ وقتی اور محدود لذت کی خاطر دائمی اور اذیت ناک سزا کا مستحق بننا کیوں گوارا کیا جاتا ہے؟ اگر لاکھ و کروڑ کی چیز ایک کوڑی میں فروخت کرنا کھلی حماقت ہے تو اخروی نعمتوں کو، جو ہر لحاظ سے مکمل بھی ہیں اور دائمی بھی، دنیوی لذت و نفع، جو ناقص بھی ہے اور وقتی بھی، کے بدلے ہاتھ سے جانے دینا کونسی دانش مندی ہے! بس بات یہ ہے کہ آخرت پر ایمان ویقین میں کمزوری ہے، ورنہ اتنا گھاٹے کا سودا کوئی کہاں برداشت کرسکتا ہے!

برائی کے بدلے اچھا معاملہ کرلے

عن أبي إسحاق، عن أبي الأحوص، عن أبيه قال: قلت: يا رسول الله، الرجل أمر به فلا يقريني ولا يضيفني فيمر بي أفأجزيه؟ قال: لا، أقره قال: ورآني رث الثياب، فقال: هل لك من مال؟ قلت: من كل المال قد أعطاني الله من الإبل والغنم، قال: فلير عليك.[1]

ترجمہ: حضرت ابوالاحوص رضی اللہ عنہ کے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: میں ایسے شخص کے پاس سے گزرتا ہوں جو نہ میری مہمان نوازی کرتا ہے نہ تکریم کرتا ہے پھر وہ شخص میرے پاس سے گزرتا ہے تو کیا میں اس کی ترکی بہ ترکی جواب دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، آپ اس کی ضیافت کریں۔ راوی کہتے ہیں: اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بوسیدہ کپڑوں میں دیکھا تو پوچھا: کیا آپ کے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا: ہر مال اللہ تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمایا ہے، اونٹ بھی اور بکریاں بھی! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پس چاہیے کہ وہ آپ پر نظر آئے۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے واضح ہوا کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دینا چاہیے، اگر کوئی شخص دوسرے کے ساتھ برائی سے پیش آئے تو دوسرے کو نہیں چاہیے کہ وہ بھی اس کے ساتھ اسی طرح برائی کا معاملہ برتنے لگ جائے، برے اخلاق کا جواب برے اخلاق سے نہیں دینا چاہیے بلکہ جہاں تک ہو سکے، صبر اور درگزر سے کام لینا چاہیے۔ اس میں ان مسلمانوں کے لئے نصیحت کی بات ہے کہ جو ایک گالی کے بدلے متعدد گالیاں دیتے ہیں، ایک زیادتی کے بدلے کئی

[1] سنن الترمذي ت بشار:(أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، باب ما جاء في الإحسان والعفو، ج٣،ص٤٣٢)

زیادتیاں کرنے لگ جاتے ہیں۔ پہلے شخص نے ظلم وزیادتی یا گالی گلوچ کر کے بداخلاقی اور گناہ کا ارتکاب کیا، اب اگر یہ دوسرا شخص بدلہ لینے میں حد سے تجاوز کرتا ہے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہتا ہے تو یہ بھی بداخلاقی اور گناہ ہی ہے۔

اس لئے اعلی اخلاق کا تقاضا تو یہ ہے کہ صبر اور درگزر سے کام لیا جائے، اگر کوئی بالکل بھی صبر کی نعمت سے محروم ہے اور بدلہ لینے ہی پر اصرار کرتا ہے تو زیادہ سے زیادہ یہی کچھ گنجائش ہے کہ اگر اقدام کرنے والے نے ایک ضرب لگائی ہے تو یہ بھی اس جیسی ایک ہی ضرب لگائے، اگر اس سے سخت ضرب لگاتا ہے یا بدلہ لینے میں ایک سے زیادہ ضربیں لگاتا ہے تو اس کے ظلم ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟!

احادیث مبارکہ میں یہ مضمون بار بار سکھلایا گیا ہے کہ یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے کہ اگر لوگ اچھائی کا معاملہ کرلے تو تُو بھی اچھائی دکھائے اور وہ برائی کا معاملہ کرے تو تو بھی ایسا ہی معاملہ برتنے لگے۔ "سنن ترمذی" میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کے اس مضمون کا ارشاد گرامی نقل ہے کہ: تم لوگوں کے ساتھ ان جیسا معاملہ کرنے والے نہ بنو: کہ تم یہ کہو کہ اگر لوگ اچھا کریں گے تو ہم بھی اچھا کریں گے اور اگر ظلم وستم کریں گے تو ہم بھی ایسا کریں گے بلکہ اپنے آپ کو اس بات کا عادی بناؤ کہ لوگ اچھا کریں تو تم بھی اچھائی سے پیش آجائیں اور اگر وہ برائی کا معاملہ کرلیں تو پھر بھی تم ظلم نہ کرو (بلکہ شرعی حدود کے اندر اندر رہو، اگر ممکن ہو تو معاف ہی کرلو اور اگر یہ نہ ہو سکے اور انتقام ہی لینا چاہو تو بھی اس میں حد سے تجاوز کر کے ظلم کا ارتکاب نہ کرو)۔

حدیث شریف کے دوسرے جملے میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اگراللہ تعالی کسی کومال ودولت کی نعمت سے نوازتا ہے تواس کو چاہئے کہ اس نعمت کااثراس پر ظاہر ہو۔اللہ تعالی کی نعمت کو نعمت واحسان سمجھ کر ظاہر کرنا بھی شکر مندی کی بات ہے، البتہ نعمت کواپنااستحقاق خیال کرنا،اس کی وجہ سے اپنی حیثیت سے بڑھنا یااس کے بل بوتے دینی ضروری باتوں میں کوتاہی کرنانہایت بری اور بہت ہی بے ہودہ بات ہے۔

حیاء جنت اور بے حیائی جہنم لے جاتی ہیں

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الحياء من الإيمان، والإيمان في الجنة، والبذاء من الجفاء، والجفاء في النار.[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حیاایمان کی شاخ ہے،،اورایمان کاصلہ جنت ہے۔اور بدکلامی گنوارپن کی شاخ ہے،اور گنوارپن کا انجام دوزخ ہے۔

فائدہ:اس روایت میں حیاء کی اہمیت وفضیلت او بدزبانی اور بدکلامی کی شناعت وقباحت کابڑے مفیداور سادہ اسلوب میں ذکر کیاگیاہے،اس کی وضاحت یہ ہے کہ حیاء ایمان کاحصہ ہےاور ایمان کامرکز جنت ہے،لہٰذا جو مسلمان(مردوعورت)حیاء کی صفت اپنے دل میں رکھتاہو،وہ اپنے اس اچھی صفت کی بدولت جنت جائیں گے۔آپ ﷺ کے اس انداز کے ساتھ بات کرنے سے یہ

[1] سنن الترمذي ت بشار:(أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، باب ما جاء في الحياء،ج٣،ص٤٣٣)

بھی معلوم ہوا کہ یہ بات صرف حیاء ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام ایمانی صفات واخلاق کا یہ فائدہ ہوگا کہ جو لوگ اپنی اخلاق وعادات کو ایمانی اخلاق وعادات میں تبدیل کریں گے، وہ جنت جائیں گے۔

احادیث مبارکہ میں حیاء کی بڑی فضیلت واہمیت بتلائی گئی ہے، اس کو ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ قرار دیا گیا ہے اور حقیقت واقعہ بھی یہی ہے کہ حیاء کی صفت اگر دل میں راسخ ہو تو انسان خود بخود بیسیوں منکرات سے رک جاتا ہے بلکہ رکنے پر اپنے آپ کو ایک گونا مجبور پاتا ہے، حضور نبی اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام کی زندگی میں جس طرح دیگر ایمان صفات واخلاق نمایاں محسوس ہوتے تھے، وہی حیاء کی صفت بھی ان کی زندگیوں کا ضروری اور نمایاں حصہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جب حیاء کی صفت آپ سے چھوٹ جائے تو پھر جو چاہے، کرے۔

حدیث مبارکہ کے دوسرے حصے میں بدکلامی اور بدزبانی کی شناعت بیان فرمائی گئی ہے کہ بدگوئی جفاء میں سے ہے اور جفاء کی جگہ جہنم کی آگ ہے۔ عربی زبان میں "جفاء" کا لفظ نیکی کے متضاد کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور ربط و تعلق کے ضد کے طور پر بھی۔ یہاں دونوں ہی معانی مراد ہو سکتے ہیں، بدگوئی کرنا نیکی کے خلاف بھی ہے اور خدا تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے ساتھ جس طرح تعلق رکھنا چاہئے، اس کے خلاف بھی ہے کیونکہ بدگوئی کرنا شریعت کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے چنانچہ قرآن وحدیث میں تو مسلمان کو یہی تعلیم دی گئی ہے کہ جو شخص سچ مچ خدا اور روزِ آخرت پر یقین رکھتا ہے، اس کو چاہئے کہ یا تو اچھی باتیں

کرے اور یا خاموش رہے، یہ بھی ہدایت دی گئی کہ جو شخص (بلا ضرورت یا بلا فائدہ بات کرنے سے) خاموش رہا، وہ نجات پاگیا، یہی وجہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ اور سلف صالحین کی زندگیوں میں فحش کلامی اور بدزبانی کا نام ونشان نہیں ملتا۔

نیز یہاں جفاء کا ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمان شخص کے ساتھ بدزبانی کرنا اس کی حق تلفی ہے اور اس کی وجہ بھی واضح ہے کہ احادیث مبارکہ میں ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان بھائی پر مختلف حقوق متعین فرمائے گئے ہیں جو اگرچہ بعض روایات میں چھ اور بعض میں پانچ ذکر فرمائے گئے ہیں لیکن اس باب کی تمام احادیث کو دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ چھ حقوق میں حصر نہیں ہے بلکہ دیگر حقوق بھی ہیں، ایک بڑا حق یہ ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنی زبان کی شر سے بچائے رکھے۔

بہرحال بدکلامی خود بھی نیکی سے متضاد راستہ ہے اور اس بات کی بھی نشانی ہے کہ ایسے شخص کے اندرونی اخلاق وعادات بھی درست نہیں ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہے کہ جہنم میں لے جانے کی بات صرف فحش گوئی یا بدزبانی کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ جفاء کی جتنی صورتیں ہیں، وہ ان لوگوں کے لئے جہنم لے جانے کا ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں جو ان کو اختیار کرتے ہیں، جہنم سے نجات پانے کا محفوظ راستہ یہی ہے کہ انسان ایسی تمام صفات وعادات سے اپنے آپ کو دور رکھنے کی کوشش کرلے، خواہ اس کے لئے انتھک محنت کرنے کی ضرورت بھی پیش آجائے کیونکہ جہنم کی آگ اور وہاں کی سختیوں اور تلخیوں سے بچنا ایسی اہم اور بنیادی

ضرورت ہے کہ اگر اس کے لئے سینکڑوں بار مرنے مارنے کی ضرورت بھی پیش آئے تو بھی کوئی گھاٹے کا سودا نہیں ہے لیکن ہمارا اصل مسئلہ دینی واخروی حس کی کمزوری اور حد درجہ کمزوری ہے جس کی وجہ سے وہاں کے عذاب اور سختیوں کا حال سننا بھی ہمارے اندر وہ عملی جوش وخروش پیدا نہیں کرتی جو سلف صالحین کے دلوں میں موجزن رہتا تھا۔

نبوت کے تین صفات

عن عبد الله بن سرجس المزني، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: السمت الحسن، والتؤدة والاقتصاد جزء من أربعة وعشرين جزءا من النبوة.[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سرجس مزنیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اچھی سیرت اور اطمینان سے کام انجام دینا اور میانہ روی نبوت کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔

فائدہ: اس روایت میں تین چیزوں کو نبوت کے چوبیس (۲۴) اجزاء میں سے ایک جزء قرار دیا گیا ہے:

۱: اچھی عادات اور بھلا طور وطریقہ۔

۲: معاملات میں صبر وحوصلہ سے کام لینا۔

۳: میانہ روی سے کام لینا۔

---

[1] سنن الترمذي ت بشار:(أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، باب ما جاء في التأني والعجلة،ج٣،ص٤٣٤)

نبوت کے چوبیس اجزاء میں سے ہونے کا مطلب کیا ہے؟ شارحین نے احتمال کے درجے میں اس کے متعدد مطالب ذکر فرمائے ہیں مگر محفوظ اور محتاط بات وہی ہے جو حضرت ملا علی قاری صاحب رحمہ اللہ نے شرح مشکاۃ میں بعض اہل علم سے نقل فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا حتمی مطلب متعین کرنے سے گریز ہی کرلینا چاہئے، یہ نبوت کے خاص علوم و معارف میں سے ہے جس کا حتمی مفہوم جاننے کے لئے اب ہمارے پاس کوئی قابل اعتماد ذریعہ نہیں ہے۔

البتہ اتنی بات طے ہے کہ نبوت کے اجزاء میں سے قرار دینے سے ان صفات کی تعریف واہمیت بتلانا مقصود ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے طور ورطریقوں اور ان کی زندگیوں کے نشیب و فراز پر غور کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح نکھر کر سامنے آتی ہے کہ اس مقدس قافلے کا ہر فرد ان صفات سے متصف تھا۔ ہم مسلمانوں کو بھی اس جماعت کی اقتداء کرنے اور ان کو اپنے لئے نمونہ عمل قرار دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو دو پسندیدہ خصلتیں

عن ابن عباس، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لأشج عبد القيس: إن فيك خصلتين يحبهما الله: الحلم، والأناة.[۱]

---

[۱] سنن الترمذي ت بشار:(أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، باب ما جاء في التأني والعجلة،ج۳،ص٤٣٤)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے قبیلہ عبد القیس کے سردار منذر بن عائذ سے فرمایا: تمہارے اندر دو ایسی عادتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں: ایک بردباری اور دوسری اطمینان سے کام کرنا۔

فائدہ: عبد القیس ایک قبیلہ کا نام ہے جس کا ایک وفد آپ ﷺ کے پاس آیا تھا، آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ یہاں اشج سے ان کا سردار مراد ہے جس کا نام منذر بن عائذ تھا۔ حضور ﷺ نے اس کو جو یہ بات فرمائی کہ آپ ﷺ کی دو خصلتوں کو اللہ تعالی پسند فرماتے ہیں، اس کی وجہ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں یہ لکھی ہے کہ جب وفد مدینہ منورہ پہنچا تو دیگر ارکان فوراً حضور ﷺ کی خدمت میں آپہنچیں اور سردار وہاں کچھ دیر ٹھہرا رہا، وفد کی سواریوں کا خیال کیا، اپنی سواری باندھ لی اور پھر صاف کپڑے پہن کر دربار اقدس میں آپہنچا، اس پر آپ ﷺ نے درج بالا جملہ ارشاد فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی دینی مصلحت سے کسی کے اخلاق وعادات کی تعریف کرنے میں مضائقہ نہیں ہے بلکہ یہ بھی سنت کا حصہ ہے اور عام مجمع میں بھی دعوت وترغیب کی نیت سے کسی کی تعریف وتوصیف کرنا جائز بلکہ مندوب ہے جبکہ متعلقہ شخص کے اخلاق وعادات بگڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔

یہاں حضور ﷺ نے دو خصلتوں کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ ان کو اللہ تعالی پسند فرماتے ہیں: ایک حلم یعنی صبر وبردباری اور دوسری صفت وقار واطمینان ہے، دونوں خصلتیں قریب قریب ہیں اور دونوں کا نتیجہ عام طور پر ایک جیسا ظاہر ہوتا ہے کہ آدمی بے صبری اور جذباتیت کا شکار نہیں ہوتا، تاہم دونوں

کے مفہوم میں فرق ہے۔ بعض محدثین نے ان دونوں میں یہ فرق کیا ہے کہ حلم کا تعلق ظلم وتجاوز معاف کرنے کے ساتھ ہے جبکہ "اناۃ" کا مطلب یہ ہے کہ وقار اور اطمینان کے ساتھ دینی احکام اور طاعات کو عمل میں لاتا رہے۔ ترمذی ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ مضمون بھی وارد ہوا ہے کہ "اناۃ" یعنی وقار اور اطمینان اللہ تعالی کی طرف سے ہے اور جلد بازی اور عجلت سے کام لینا شیطان کی جانب سے ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھے اخلاق کی توفیق اللہ تعالی کی طرف سے ملتی ہے اوراس کے ذریعے اللہ تعالی تک پہنچا جاتا ہے اور برے اخلاق کے اپنانے میں شیطانی عمل دخل ہوتا ہے۔

بہرحال ایک مسلمان کے لئے سب سے زیادہ شوق ورغبت کی بات یہی ہونی چاہئے کہ اللہ تعالی کی رضامندی اور اس کی محبت حاصل ہو، اس عظیم مقصود کو حاصل کرنے کے لئے جتنی بھی قربانی دینی پڑے، کم ہے۔ جب معلوم ہوا کہ ان دو خصلتوں کو اللہ تعالی پسند فرماتے ہیں اور جس شخص میں یہ خصلتیں موجود ہوں ،اس کو بھی اللہ تعالی کی خوشنودی اور قرب حاصل ہو جاتا ہے تو اب کوئی وجہ نہیں ہے کہ مسلمان ان خصلتوں کے اختیار کرنے سے رکا رہے یا اس کے اپنانے میں دیر وغفلت سے کام لے۔

نرمی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے

عن أم الدرداء، عن أبي الدرداء، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أعطي حظه من الرفق فقد أعطي حظه من الخير، ومن حرم حظه من الرفق فقد حرم حظه من الخير.[1]

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو نرمی میں سے اس کا حصہ دیا گیا اس کو یقینا خیر میں سے اس کا حصہ دیا گیا، اور جو شخص نرمی میں سے اس کے حصہ سے محروم رکھا گیا وہ خیر کے اپنے حصے سے محروم رکھا گیا۔

فائدہ: اس روایت مبارکہ میں نرمی اور نرم خوئی کی اہمیت بتائی گئی ہے، حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نرم خوئی کی عادت بھلائی ہی بھلائی ہے، جس کو یہ بھلی صفت نصیب ہو، اس کو بڑے خیر سے نوازا گیا اور جو اس سے محروم رہا، وہ بڑے ہی خیر سے محروم رہا۔ محدثین اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ دین ودنیا کے بڑے اہداف ومقاصد اس نرم خوئی کے ذریعے حاصل کئے جاسکتے ہیں اور کوئی شخص اس سے محروم رہے تو اس کے لئے ان اہداف کے حاصل کرنے میں بڑے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کے نتیجے میں عام طور پر آدمی ہمت ہار کر ناکامی کا منہ دیکھتا ہے۔ چنانچہ نرم خوئی کی خصلت ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ بھی پسند فرماتے ہیں اور لوگوں کے دل اس کی طرف کھنچتے ہیں جس کی بناء پر نماز، روزہ وغیرہ عبادات کی ادائیگی میں

---

[1] سنن الترمذي ت بشار: (أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في الرفق، ج۳، ص۴۳۵)

بھی کوئی خاص مشکل پیش نہیں آتی بلکہ اللہ تعالی کی محبت کی وجہ سے رفتہ رفتہ عبادات میں بھی دل لگنا شروع ہو جاتا ہے اور توجہ اور خشوع و خضوع کے ساتھ اس کی انجام دہی نصیب ہو جاتی ہے اور چونکہ لوگوں کے ساتھ اعتماد و محبت کا تعلق ہوتا ہے، اس لئے حقوق العباد کے بجالانے میں بھی کوئی خاص مشکل پیش نہیں آتی۔

اس کے بالمقابل جو شخص نرم خوئی کی اس اچھی خصلت سے محروم ہوتا ہے، اس کو خدا تعالی کی محبت بھی نصیب نہیں ہوتی اور لوگ بھی اس کے ساتھ کچھ زیادہ پیار واعتماد کا تعلق نہیں رکھتے جس کی وجہ سے عبادات کی اچھی طرح ادائیگی بھی مشکل محسوس ہوتی ہے اور لوگوں کے حقوق بجالانے میں بھی مشکلات پیش آتی ہیں جن کی وجہ سے اکثر بے ہمت یا کم ہمت لوگ واجبات چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

احادیث مبارکہ میں کثرت کے ساتھ نرم سلوک برتنے اور نرم خوئی کی فضیلت اور اہمیت بتائی گئی ہے، "سنن ابی داؤد" کی ایک روایت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: "اللہ تعالی نرمی کرنے کو پسند فرماتے ہیں اور اس پر وہ کچھ (نعمتیں) دیتے ہیں جو سختی پر نہیں دیتے۔" اسی کے متصل دوسری روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے مجھے صدقہ کے اونٹوں میں ایک اونٹنی دیکر ارشاد فرمایا: "(اس کے ساتھ) نرمی کرتے رہو، کیونکہ نرمی جس معاملہ میں بھی ہو، اس میں زینت پیدا کرتی ہے اور سختی جہاں بھی ہو، اس کو خراب کرتی ہے۔"

"مجمع الزوائد" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے کہ "جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو

ان میں نرمی ڈالتا ہے "یعنی ان کو نرمی کی صفت سے نوازتے ہیں جس کی وجہ سے خیر وبھلائی عام ہو جاتی ہے۔اسی کتاب میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نرمی پر ضرور وہ کچھ دیدیتے ہیں جو سختی پر نہیں دیتے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو ان کو نرمی (کی صفت) سے نوازتے ہیں، جس گھر والے نرمی (کی عادت وصفت اختیار کرنے) سے محروم ہو جاتے ہیں وہ (واقعۃً) محروم ہی ہیں"۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی اپنی عادت مبارکہ یہی تھی، آپ ہر معاملہ میں جہاں تک ہو سکتا تھا، نرمی وشفقت کے پہلو کو اختیار فرماتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے بچپن میں دس سال حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں رہے، جن لوگوں کو بچوں کے ساتھ واسطہ پڑا ہو، وہ جانتے ہیں کہ بچوں کی اکثر عادتیں ایسی ہوتی ہیں کہ سمجھدار آدمی کے لئے ان پر قناعت کرنا مشکل ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود حضرت انس خود فرماتے ہیں کہ ان دس سالوں میں ایک بار بھی آپ ﷺ نے مجھے اف تک بھی نہیں کہا اور نہ مجھے کسی کام کے کرنے پر ڈانٹا۔

آپ ﷺ کی نرمی وشفقت کا یہ حال تھا کہ خود قرآن کریم نے اس کی گواہی دیدی، ارشاد خداوندی ہے:

} لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ { [التوبة: ١٢٨]

ترجمہ: پکی بات یہ ہے کہ تمھارے پاس ایک رسول تمھیں میں سے تشریف لائے ہیں، تمھاری تکلیف ان کو بہت بھاری لگتی ہے، تمھاری بھلائی وہ بہت چاہتے ہیں۔

"سنن ابی داؤد" میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی خادم یا عورت کو نہیں مارا۔ جن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اتباع سنت کا شوق وذوق نصیب فرمایا ہے وہ اس پر بھی نظر جما کر رکھے کہ سنت صرف ظاہری چال ڈھال کا نام نہیں ہے بلکہ اخلاق وعادات بھی اس کا اہم اور بنیادی حصہ ہے جس کے بغیر اتباع سنت کا دعوی بے جا اور بے معنی ہے۔

حضور ﷺ کے بعض اخلاق کا ذکر خیر

عن أبي إسحاق، قال: سمعت أبا عبد الله الجدلي يقول: سألت عائشة، عن خلق رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: لم يكن فاحشا ولا متفحشا ولا صخابا في الأسواق، ولا يجزي بالسيئة السيئة، ولكن يعفو ويصفح.[۱]

ترجمہ: حضرت ابو عبد اللہ جدلیؒ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کے خلاق کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: آپ ﷺ نہ فحش گو تھے اور نہ بہ تکلف فحش باتیں کرتے تھے۔ اور نہ آپ ﷺ بازاروں میں چلا کر بولتے تھے۔ اور آپ ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے، بلکہ آپ ﷺ معاف کر دیتے تھے اور درگذر فرماتے تھے۔

فائدہ: یوں تو حضور نبی اکرم ﷺ اچھی صفات واخلاق کے عظیم درجہ پر قائم تھے، چنانچہ خود قرآن کریم نے آپ ﷺ کے خلق عظیم پر ہونے کی گواہی

[۱] سنن الترمذي ت بشار:(أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، باب ما جاء في خلق النبي صلى الله عليه وسلم، ج٣،ص٤٣٧)

دی ہے، تاہم اس روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کسی خاص مناسبت کی بنیاد پر حضور ﷺ کے چار بڑے اور نمایاں اخلاق ذکر فرمائے ہیں، ایک یہ کہ آپ ﷺ فاحش نہ تھے اور دوسری یہ کہ آپ ﷺ متفحش نہ تھے، یہ دونوں باتیں قریب قریب ہیں، عربی زبان میں "فحش" بری بات اور برے کام کو کہا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر صاحب رحمہ اللہ نے "شرح بخاری" میں دونوں میں یہ فرق کیا ہے کہ فاحش ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بدگو اور بدزبان ہو اور جو شخص بدکلامی میں بہت ہی بڑھے اور تکلف کے ساتھ ایسا کرتا رہے، اس کو متفحش کہا جاتا ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے "شرح بخاری" میں ذکر فرمایا ہے کہ پہلے لفظ یعنی "فاحش" سے مراد یہ ہے کہ کسی میں طبعی طور پر برائی کا مادہ موجود ہو اور دوسرے لفظ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فطری طور پر تو یہ خرابی اس کے اندر موجود نہ ہو لیکن وہ اختیاری طور پر کبھی کبھار بدزبانی یا بداخلاقی کرتا رہے۔ بہرحال یہ دونوں مذموم صفتیں آپ ﷺ میں نہ تھیں، آپ ﷺ ان جیسی بری صفات و اخلاق سے کوسوں دور تھے۔

حضور ﷺ نے جس طرح اپنے عمل و کردار سے امت کو ان اچھے اخلاق کی تعلیم دی اور ان کے لئے عملی نمونہ قائم فرمایا، یوں ہی زبانی طور پر بھی امت کو یہی سمجھاتے رہے، چنانچہ "طبرانی" کی روایت میں یہ مضمون بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ فحش اور تفحش کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور مسلمانوں میں سے بہتر مسلمان وہی ہے جس کے اخلاق بہتر ہو۔

اس روایت میں آپ ﷺ کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ آپ ﷺ بازاروں میں شور وشغب کرنے والے نہ تھے، آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ وقار، متانت، اور بقدرِ ضرورت آواز کے ساتھ اپنی بات مکمل فرماتے، اہم بات کو تین بار دہراتے، جس کے بعد کوئی غلط فہمی باقی نہ رہتی۔ شور وغوغاء کرکے لوگوں کو پریشان، ان کو بلاضرورت اپنی طرف متوجہ کرنا آپ ﷺ کا مزاج بالکل نہ تھا اور نہ کسی مسلمان کو اس کے قریب جانا چاہئے۔ یہ اخلاقی کمزوری کی نشانی ہے کہ خود غصہ یا غمگیں ہو تو گرد وبیش کے لوگوں کو بھی خواہ مخواہ پریشان کردیا جائے، یہ بات کچھ بازار ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اصل خرابی یہ ہے کہ بلاوجہ لوگوں کو پریشان وہراساں نہ کیا جائے، ان کی جائز مصروفیات میں خواہ مخواہ خلل نہ ڈالا جائے اور یہ بات جس طرح بازار میں ہے یوں ہی عام جگہوں پر بھی ہے، تاہم بازار میں چونکہ اس کی زیادہ نوبت آتی ہے، شاید یہاں خصوصیت کے ساتھ بازار کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

ایک طرف آپ ﷺ کے عالی اخلاق اور بلند کردار کو دیکھے اور دوسری طرف مسلمانوں کے بازاروں اور محفلوں کا جائزہ لیا جائے تو کوئی مناسبت محسوس نہیں ہوتی، یہاں تو ہر دکاندار دوسرے کے ساتھ مقابلہ میں ہوتا ہے، گاڑیوں کے اڈہ پر کوئی جائے تو ہر گاڑی والے اپنی طرف کھینچنا شروع کرتے ہیں، ہوٹل وغیرہ پر جایا جائے تو ہر مالک نے متعدد مزدوروں کو باہر کھڑا کیا ہوتا ہے جو ہر آنے والے کو اپنے پاس لانے اور بٹھانے میں زورِ بازو صرف کرتا ہے۔ کاش اسلامی

کہلانے والے معاشرے میں کوئی بازار تو ایسا ہو جہاں دینی تعلیمات کے مطابق تمام کام انجام پاتے ہوں۔

اس روایت میں آپ ﷺ کی چوتھی صفت یہ بتلائی گئی ہے کہ آپ ﷺ برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ نہیں دیتے بلکہ برائی کرنے والے کو معاف فرماتے اور اس سے درگزر فرماتے۔ متعدد روایات میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ لوگوں کے ساتھ ان کے رویوں جیسا رویّہ رکھنا کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ اگر لوگ آپ کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کریں تو آپ بھی ان کے ساتھ اچھائی سے پیش آئے اور اگر وہ کوئی ناجائز یا نامناسب رویّہ برت لیں تو آپ بھی ان جیسا قدم اٹھائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا معمول مبارک ایسا بالکل بھی نہ تھا اور ایک سچے مسلمان کے لئے وہی کامل و مکمل نمونہ ہے۔ اس میں مزید اجر و ثواب کی بات یہ بھی ہے کہ برے رویّے رکھنے والے کے ساتھ نیک سلوک کرنے اور اچھائی سے پیش آنے میں اخلاص کا مادہ بھی بہت کچھ پایا جاتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت قدر دانی ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں بہترین صدقہ اس کو قرار دیا گیا ہے کہ کوئی شخص اپنے ایسے رشتہ دار پر صدقہ کردے جو اس کے ساتھ کینہ رکھتا ہو۔

حضور ﷺ کے نرم جوئی اور درگزر کی صفت

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ: «مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا، مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا، فَإِنْ كَانَ إِثْمًا

كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ، وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللهِ، فَيَنْتَقِمَ لِلهِ بِهَا»[1]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا: کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپ ﷺ کو دو باتوں کا اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ اسے اختیار کرتے جو آسان ہوتی بشرطیکہ گناہ نہ ہو۔ اگر گناہ کی بات ہوتی تو آپ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ اس سے الگ رہتے، اور آپ ﷺ نے کسی سے اپنی ذات کے لئے بدلہ نہیں لیا، البتہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم کو کوئی توڑتا تو اللہ تعالیٰ کے لئے اس سے بدلہ لیا کرتے۔

فائدہ: اس حدیث سے آپ ﷺ کا مزاج گرامی واضح ہو جاتا ہے جو امت کے لئے مثالی نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے، وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ پر نرمی اور عفو ودرگزر کی صفت کا غلبہ تھا، جہاں بھی آپ ﷺ کو دو باتوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تھا تو اس میں نرم پہلو والا راستہ ہی اختیار فرماتے تھے، بلا وجہ مشقت والا راستہ اختیار کرنا آپ ﷺ کا معمول نہ تھا، البتہ اگر دین وشریعت کی بات ہوتی اور نرم پہلو اختیار کرنا دینی لحاظ سے گناہ وممنوع ہوتا تو پھر کبھی اس کے قریب نہ جاتے۔ مزاج ومذاق کی حد تک یہ بھی سنت ہے، البتہ بعض اوقات دینی تقاضوں کے تحت کچھ سختی یا مشکلات برداشت کرنی پڑتی ہیں، وہ اس سے بہر حال مستثنیٰ ہیں، مثال کے طور پر بعض بزرگ کسی مرید کے کبر، عجب وغیرہ امراض کا علاج کرتے ہیں تو

---

[1] متفق عليه صحيح البخاري: (كتاب المناقب، باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم، ج٤، ص١٨٩)/صحيح مسلم: كتاب الفضائل، باب مباعدته صلى الله عليه وسلم للآثام واختياره من المباح، أسهله وانتقامه لله عند انتهاك حرماته، ج٤، ص١٨١٣)

ان سے مختلف ریاضتیں اور مجاہدات کرواتے ہیں ،وہ بلا شبہ درست ہے کہ وہ "بلا فائدہ مشقت اختیار کرنے میں داخل ہی نہیں ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہوں سے رکنے میں خواہ کتنی ہی مشقت برداشت کرنی پڑے،تکلیف اٹھانی پڑے،اس کو سہنا ضروری ہے، یہ ہمارے لئے دین کا حکم بھی ہے اور سنت رسول ﷺ بھی۔

حدیث کے دوسرے ٹکڑے میں یہ مضمون بیان فرمایا گیاہے کہ آپ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا،البتہ اللہ تعالیٰ کے احکام وحدود کی جہاں بے حرمتی ہوتی اور انتقام لینے کا حکم ہوتا تو وہاں آپ ﷺ ضرور اللہ تعالی کے لئے انتقام لیتے۔اس میں تمام مسلمانوں کے لئے سبق لینے کی بات ہے کہ خدا کے احکام وحدود کو اپنی ذاتی مصلحتوں سے زیادہ اہم اور مقدم سمجھیں،ذاتی حیثیت سے کوئی ہمارے ساتھ زیادتی بھی کرے تو بھی بہتر یہی ہے کہ اس سے در گزر کر لیا جائے،البتہ کوئی شخص/قوم دینی حدود کو پامال کریں تو اس کے متعلق شریعت کا جو حکم ہو،اس کو اپنی استطاعت کے مطابق بجالانے میں بالکل تامل سے کام نہ لیا جائے،وہاں بے جا نرمی اور براداشت کرنے سے گریز ہی کر لیا جائے۔

یاد رہے کہ نرمی ہو یا سختی،ان میں سے کوئی چیز بھی بذات خود اچھی یا بری نہیں ہے،نہ ہر نرمی کوئی قابل تعریف خصلت ہے اور نہ ہی ہر سختی کوئی لائقِ ستائش ہے بلکہ ان میں سے جو جو چیز دینی تعلیمات کے مطابق اور دینی حدود کے اندر ہو،وہ اچھی ہو گی اور جو چیز دینی تقاضوں کی جس قدر خلاف ہو،اس قدر وہ بُری اور باعث

مذمت ہو گی۔ ہمارے پاس کسی چیز کی اچھائی اور برائی جاننے کا واحد ذریعہ یہی خدا تعالی کا مقرر کردہ دین ہی ہے۔

اس روایت کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس وقت ہماری صورت حال بالکل برعکس ہے، ہم اپنے معاملات میں تو بڑے چوکس اور بیدار رہتے ہیں، کوئی ہمارے ساتھ دھوکہ دہی اور زیادتی پہلے تو آسانی کے ساتھ کر ہی نہیں سکتا اور اگر کوئی ایسی جرأت کرتا بھی ہے تو پھر جہاں تک ہمارا بس چلے، انتقام لے کر ہی رہتے ہیں، یہاں ہمارے سامنے عفو ودرگزر کی باتیں نہیں ہوتیں لیکن کوئی شخص دین کے حدود کو پامال کرتا رہے تو ہمیں اول تو اس کا احساس ہی نہیں ہوتا اور ہوتا بھی ہے تو نرمی اور عفو ودرگزر کے فضائل ہمیں وہی یاد آجاتے ہیں۔

قیامت کے دن سب سے گھٹیا مقام

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَجُلًا اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا رَآهُ قَالَ: «بِئْسَ أَخُو العَشِيرَةِ، وَبِئْسَ ابْنُ العَشِيرَةِ» فَلَمَّا جَلَسَ تَطَلَّقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجْهِهِ وَانْبَسَطَ إِلَيْهِ، فَلَمَّا انْطَلَقَ الرَّجُلُ قَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، حِينَ رَأَيْتَ الرَّجُلَ قُلْتَ لَهُ كَذَا وَكَذَا، ثُمَّ تَطَلَّقْتَ فِي وَجْهِهِ وَانْبَسَطْتَ إِلَيْهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا عَائِشَةُ، مَتَى عَهِدْتِنِي فَحَّاشًا، إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ القِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ شَرِّهِ»[1]

---

[1] صحيح البخاري:(كتاب الادب، باب «لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم فاحشا ولا متفحشا»، ج۸،ص۱۳)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے اندر آنے کی اجازت مانگی، جب آپ ﷺ نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ قبیلے کا برا بھائی اور برا بیٹا ہے، جب وہ بیٹھ گیا تو آپ ﷺ خندہ پیشانی اور کشادہ روئی سے ملے، جب وہ آدمی چلا گیا تو حضرت عائشہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ جب آپ ﷺ نے اس آدمی کو دیکھا تو اس اس طرح فرمایا پھر آپ خندہ پیشانی اور کشادہ روئی کے ساتھ ملے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ تم نے مجھے فحش گو کب دیکھا ہے؟ قیامت کے دن لوگوں میں سب سے برا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کا ہوگا جس کو لوگ اس کی برائی سے محفوظ رہنے کے لئے چھوڑ دیں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ برے شخص کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اگر دینی مصلحت کی بنیاد پر ہو تو یہ ممنوع یا مذموم نہیں ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے جو دریافت کیا، اس سے یہ اہم سبق بھی ملتا ہے کہ اگر کسی کے بارے میں بدگمانی پیدا ہو جائے یا اس کا شائبہ ہو تو موقع ہی پر بے تکلفی کے ساتھ اس سے وضاحت لے لینا چاہئے تاکہ بدگمانی کا دروازہ ہی بند ہو جائے، یہ جو اس وقت ہماری صورت حال بن چکی ہے کہ دل میں بدگمانیوں کا ایک تسلسل ہوتا ہے لیکن زبان پر لانے اور متعلقہ شخص سے اس کی وضاحت دریافت کرنے سے ہچکچاتے ہیں، یہ بالکل غلط عادت اور خلافِ سنت خصلت ہے۔

"صحیح بخاری" میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ ایک بار گلی میں جارہے تھے، ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی (پردہ میں) ساتھ تھی، اتنے میں دو مسلمان پاس سے گزریں، آپ ﷺ کو دیکھ کر آگے گزر گئے، آپ ﷺ نے دونوں کو پکار کر فرمایا کہ یہ صفیہ بنت حُیی ہے (کوئی دوسری

عورت نہیں ہے)۔انہوں نے بڑے تعجب اور شرمساری کے ساتھ سبحان اللہ کہا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :" شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑتا ہے ،(اس لئے وہ کسی بھی وقت کچھ بھی وسوسہ ڈال کر بدگمانی میں مبتلا کر سکتا ہے) مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ تمہارے نفس میں کچھ (وسوسہ) نہ ڈالے"۔اس سے یہ اہم سبق ملتا ہے کہ نہ دوسرے افراد کے بارے میں خود بدگمانی کا شکار ہونا چاہئے اور نہ ہی کسی کو یہ موقع دیدینا چاہئے کہ وہ آپ کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو کر رہ جائے، یہ دونوں باتیں سنت بھی ہیں اور اچھے اخلاق وعادات کا ذریعہ بھی۔

حدیث شریف کے آخر میں یہ سخت وعید بھی وارد ہوئی ہے کہ قیامت کے دن بدتر درجہ ومقام اس شخص کا ہوگا جس کی شر سے بچنے کے لئے لوگوں نے اس کو چھوڑ رکھا ہو، یعنی اس کی بداخلاقی کا یہ حال ہو کہ جو شخص قریب ہوتا ہو،اس کے ساتھ بداخلاقی یا برائی کے ساتھ پیش آتا ہو،اس کی بداخلاقی اور برائی سے بچنے کی یہی صورت کارگر معلوم ہوتی ہے کہ اس سے دور رہا جائے۔بعض روایات میں یہاں "شر" کی جگہ "فحش" کا ذکر بھی وارد ہوا ہے، بہر حال فحش گوئی بھی بداخلاقی کی پیداوار ہے اور برائی بھی عموماً اخلاق کے درست نہ ہونے کی بنیاد پر پیش آتی ہے۔بداخلاق شخص سے شریف لوگ دور ہونے اور دور رہنے ہی میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔اس میں ہم جیسوں کے لئے عبرت ونصیحت پکڑنے کے لئے بہت کچھ ہے، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم عبادات اور بعض دیگر نیکیوں میں اس گمان سے مصروف عمل ہو کہ آخرت

میں بیڑہ پار ہو جائے گا لیکن ہماری بداخلاقی کی وجہ سے کچھ لوگ ہم سے دور ہی دور رہتے ہوں۔

مرنے کے بعد بھی احسان مندی چاہئے

عن عائشة قالت: ما غرت على أحد من أزواج النبي صلى الله عليه وسلم ما غرت على خديجة، وما بي أن أكون أدركتها وما ذاك إلا لكثرة ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم لها، وإن كان ليذبح الشاة فيتتبع بها صدائق خديجة فيهديها لهن.[1]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ کی ازواج میں سے کسی پر مجھے اتنی غیرت نہیں آتی جتنی حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا پر آتی ہے، حالانکہ نہیں تھا (رشک) میرے ساتھ یعنی میرے اندر بایں وجہ کہ میں نے ان کو پایا تھا، اور نہیں تھی وہ غیرت مگر بکثرت رسول اللہ ﷺ کے ان کا تذکرہ کرنے کی وجہ سے، پس آپ ﷺ بکری کے گوشت کے بارے میں حضرت حدیجہؓ کی سہیلیوں کی تالاش کرتے، پس آپ ﷺ ان کے پاس بکری کے گوشت کا ہدیہ بھیجتے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر اختیاری طور پر اگر کسی مسلمان کے بارے میں رشک نما جذبات پیدا ہو جائیں تو وہ برے نہیں ہے جب تک اس کے تقاضوں پر عمل نہ کیا جائے اور اس کی وجہ سے متعلقہ شخص کی برائی بیان نہ کی جائے، اس کی کوئی حق تلفی نہ کی جائے۔ اس روایت مبارکہ سے حضور نبی

[1] سنن الترمذي ت بشار: (أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، باب ما جاء في حسن العهد ، ج٣، ص٤٣٧)، (أبواب المناقب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب فضل خديجة رضي الله عنهاج٦ص١٨٥)

اکرم ﷺ کے اعلیٰ اور مثالی اخلاق کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حسن معاشرت اور ان کے احسانات کا تذکرہ ان کے مرنے بعد آخر تک کرتے رہے اور صرف یہ نہیں کہ ان کی خوبیوں کا ذکر کرتے بلکہ ان کی سہیلیوں کا بھی خاص اکرام و مدارات فرماتے، معلوم ہوا کہ احسان مند رہنا بھی اچھے اخلاق کا حصہ ہے اور یہ صرف محسن کے مرنے تک ہی نہیں ہے بلکہ اس کے مرنے کے بعد بھی ان کے دوستوں وعزیزوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتے رہنا چاہئے۔ بعض روایات میں یہ مضمون بھی بیان ہوا ہے کہ والدین کا حق ان کے انتقال کے ساتھ ہی ختم نہیں ہوتا بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کے دوستوں کے ساتھ بھی اچھے تعلقات رکھنے چاہئے۔

حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اگرچہ آپ ﷺ پر متعدد احسانات تھے لیکن آپ ﷺ کی برکت سے ان کو جو کچھ نعمتیں اور لازوال سعادتیں حاصل ہوئی، وہ ان احسانات سے کہیں بڑھ کر تھے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے کبھی اس طرح تقابلی جائزہ نہ لیا، اس سے ہم جیسوں کو بھی سبق حاصل ہو جاتا ہے کہ اپنے احسانات پر نظر رکھنا کسی طرح مناسب نہیں ہے، دوسرے مسلمانوں کی طرف سے جو احسانات حاصل ہوتے ہیں، ان پر نظر مرکوز رکھ لینی چاہئے اور اپنی استطاعت کی حد تک ان کا احسان مند رہنا چاہئے۔

حضور ﷺ کے پسندیدہ وناپسندیدہ اشخاص

عن جابر، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن من أحبكم إلي وأقربكم مني مجلسا يوم القيامة أحاسنكم أخلاقا، وإن

أبغضكم إلي وأبعدكم مني مجلسا يوم القيامة الثرثارون والمتشدقون والمتفيهقون، قالوا: يا رسول الله، قد علمنا الثرثارون والمتشدقون فما المتفيهقون؟ قال: المتكبرون.

والثرثار: هو الكثير الكلام، والمتشدق الذي يتطاول على الناس في الكلام ويبذو عليهم.[1]

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے نزدیک محبوب تر اور قیامت کے دن مجھ سے قریب تر وہ لوگ ہونگے جو تم میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں، اور تم میں سے میرے نزدیک مبغوض تر (دنیا میں) اور قیامت کے دن مجھ سے بعید تر وہ لوگ ہونگے جو بہت زیادہ بک بک کرنے والے ہیں، اور گلا پھاڑ پھاڑ کر چلانے ہیں، اور تکبر سے بغبغانے والے ہیں، صحابہ نے عرض کیا کہ "ثرثارون" اور "متشدقون" کو تو ہم جانتے ہیں، "متفیہقون" سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: گھمنڈی (اترانے والے) لوگ۔

فائدہ: اس روایت مبارکہ میں ایک طرف ان افراد کا ذکر فرمایا گیا ہے جو آپ ﷺ کو زیادہ محبوب وعزیز بھی ہیں اور قیامت کے دن آپ ﷺ کے زیادہ قریب بھی ہوں گے، اس کے مقابل میں دوسری طرف ان افراد کا بھی تذکرہ فرمایا گیا ہے جو آپ ﷺ کو زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ بھی ہیں اور قیامت کے دن آپ ﷺ کی قرب سے زیادہ محروم بھی ہوں گے۔ جن لوگوں کے اخلاق زیادہ درست ہوں گے، ان سے حضور ﷺ محبت بھی زیادہ کرتے ہیں اور ایسے لوگ

---

[1] سنن الترمذي ت بشار: (أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، باب ما جاء في معالي الأخلاق ، ج٣، ص٤٣٨)

قیامت کے دن آپ ﷺ کے قریب بھی ہوں گے اور جو لوگ تکبر کرتے ہیں، زیادہ بولتے رہتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ بدکلامی کرتے ہیں، ان سے حضور ﷺ کو نفرت ہے اور ایسے لوگ قیامت کے دن بھی آپ ﷺ کے قرب وجوار سے محروم ہوں گے۔

قیامت کے دن جس قدر ہولناکی ہوگی، اس کا تصور بھی نہایت تکلیف دہ اور آرام کش ہے، اللہ تعالیٰ کا غیظ وغضب زوروں پر ہوگا، گویا وہاں مصائب ومشکلات کے پہاڑوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے، ایسے سخت اور جانکاہ عالم میں آپ ﷺ کی صحبت ومعیت ہی وہ جان آفرین نعمت اور لازوال سعادت ہے جس کی کما حقہ قدردانی اور غیر معمولی اہمیت کا اندازہ مادیت زدہ دل ودماغ سے متصور نہیں ہے، آپ ﷺ کا قرب وجوار مقبول شفاعت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا باعث ہوگی اور یہی وہ نعمت ہے جس کے مقابلے میں دنیا جہاں تو کیا، اس طرح ہزاروں دنیا ہیچ ثابت ہوں گی۔ اچھے اخلاق کے بدلے اس عظیم نعمت کے علاوہ اور کچھ بھی نہ ملے تو بھی یہ نعمت کیا کچھ کم ہے؟ اس کے لئے نفس کے تقاضوں کو کانٹ چھانٹ کر سوارنا اور اس کو اچھے اخلاق کا حامل بنانا کیا ضروری نہیں رہ جاتا! اور تکبر اور بداخلاقی کا اور کچھ بھی عذاب ونقصان نہ ہو تو بھی کیا یہ کم ہے کہ حضور ﷺ جیسی ہستی کے پیار ومحبت سے دوری ہو اور قیامت جیسے آڑے وقت میں آپ ﷺ کے قرب ومعیت سے محرومی مقدر ہو! واقعی ایمان کی دولت نصیب ہو تو اس روایت کے بعد اخلاق کے سنوارنے میں خواہ کتنی ہی قربانی دینی پڑے، ایک دانش مند شخص کے لئے اس سے دریغ کرنے کا امکان باقی نہیں رہتا،

لیکن کیا کہیے، ہماری تو سچی حالت وہی ہے جس کی تصویر ایک شاعر نے بڑی مہارت سے کھینچی ہے، فرماتے ہیں:

واہ ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا　　　　کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

مسلمان لعنت کرنے والا نہیں ہوتا

عن ابن عمر قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا يكون المؤمن لعانا.[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مؤمن بکثرت لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔

فائدہ: جو شخص بات بات پر لعنت وپھٹکار کی بد دعاء کرتا رہے، وہ صحیح معنی میں مسلمان نہیں ہے، سچا اور کامل مسلمان تو وہی ہو سکتا ہے جس کی تمام تر باتیں اور حرکتیں شریعت کے ترازو پر پورے اترتے ہوں، کبھی کبھار غلط حرکت یا غلط بات کا صادر ہونا بعید نہیں ہے مگر ایک تو اس حالت پر رہنا نہیں چاہئے بلکہ موقع ملتے ہی توبہ واستغفار کر لینا چاہئے اور دوسری ضروری بات یہ ہے کہ گناہ کا کوئی کام مسلمان شخص کی صفت وعادت کی جگہ لینے لگے، یہ بے حد بری اور سخت مذمت کی بات ہے، اس روایت مبارکہ میں بھی بظاہر یہی مراد ہے، یہ ایسی بات ہے جس کے ہوتے ہوئے کسی شخص کو کامل مسلمان کہنا ہی مشکل بلکہ بے جا ہے کیونکہ عملی زندگی اسلام کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہے۔ یہاں جس پھٹکار کی بدعاء کی مذمت کی گئی ہے، اس

[1] سنن الترمذي ت بشار: (أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، باب ما جاء في اللعن والطعن، ج٣، ص٤٣٩)

میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی مسلمان کو ناحق ایسی بد دعاء دی جائے اور یہ بھی کہ جانور وغیرہ چیزوں کو ایسی بد دعائیں دیدی جائیں، بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جانوروں اور چوپایوں تک کو بھی گالی اور بد دعائیں دیتے ہیں، یہ سخت مذموم حرکت ہے جو کسی مسلمان کے شایان شان نہیں ہے۔

"طریقہ محمدیہ" نامی کتاب اور اس کی شروح میں لکھا ہے کہ جس طرح کسی مسلمان کو بلا وجہ تکلیف واذیت دینا ناجائز ہے، اسی طرح بد دعاء دینا بھی جائز نہیں ہے اور اگر کوئی اقدام کرکے کسی کو بد دعاء دیدے تو اس کے جواب میں زیادہ سے زیادہ اس جیسی بد دعاء دی جاسکتی ہے گو اس سے بھی بچتے رہنا ہی زیادہ مناسب ہے۔اس میں ان لوگوں کے لئے عبرت کی بات ہے جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر دوسرے لوگوں کو ہلاکت و بربادی کی بد دعائیں دیتے ہیں۔ان ماؤں کے لئے بھی سبق حاصل کرنے کا مقام ہے جو اپنے بچوں کی معمولی غلط حرکات پر ان کے لئے ڈھیر ساری بد دعائیں دیتی ہیں۔

اس حدیث شریف سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جس طرح نماز، روزہ وغیرہ عبادات کی اچھی طرح پابندی کے بغیر کوئی شخص کامل مسلمان نہیں ہو سکتا، یوں ہی اخلاقیات بھی دین وشریعت کا اہم ترین حصہ ہے اور اس میں بھی اگر کوتاہی ہو تو ایسا شخص صحیح معنی میں مسلمان کہلانے کا لائق نہیں ہے، صرف عبادات اور عقائد ہی پورا دین نہیں ہے۔

مسلمان کی عزت ومقام کی اہمیت

عن ابن عمر قال: صعد رسول الله صلى الله عليه وسلم المنبر فنادى بصوت رفيع، فقال: يا معشر من أسلم بلسانه ولم يفض الإيمان إلى قلبه، لا تؤذوا المسلمين ولا تعيروهم ولا تتبعوا عوراتهم، فإنه من تتبع عورة أخيه المسلم تتبع الله عورته، ومن تتبع الله عورته يفضحه ولو في جوف رحله قال: ونظر ابن عمر يوما إلى البيت أو إلى الكعبة فقال: ما أعظمك وأعظم حرمتك، والمؤمن أعظم حرمة عند الله منك. [1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے اور بلند آواز سے فرمایا: اے وہ لوگوں جو صرف زبان سے مسلمان ہوئے ہو، اور دلوں تک ایمان نہیں پہنچا! مسلمانوں کو مت ستاؤ، اور ان کو عار مت دلاؤ، اور ان کے عیوب مت ڈھونڈھو، کیونکہ جو شخص مسلمان بھائی کا عیب ڈھونڈھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا عیب ڈھونڈھتے ہیں، اور جس کا اللہ تعالیٰ عیب ڈھونڈھتے ہیں اس کو رسوا کر دیتے ہیں، اگرچہ وہ اپنے مکان میں کیوں نہ ہو۔

فائدہ: حضرت ملا علی قاری صاحب رحمہ اللہ "شرح مشکاۃ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ روایت صرف منافقین کے متعلق نہیں ہے بلکہ گناہ گار مسلمانوں کو بھی یہ خطاب میں شامل ہے اور حدیث کے الفاظ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ

---

[1] سنن الترمذي ت بشار:(أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، باب ما جاء في تعظيم المؤمن ،ج٣،ص٤٤٦)

منافق اور گناہگار مسلمانوں سب کو اس روایت میں مخاطب کیا گیا ہے اور ان کو مسلمانوں کے متعلق تین کاموں سے منع کیا گیا ہے ،ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کو تکلیف نہ دی جائے، کسی مسلمان کو بلا وجہ تکلیف دینا بہت بڑا گناہ ہے، تکلیف دینے کی دسیوں صورتیں ہوسکتی ہیں ،اسی طرح تکلیف پہنچانے کے سینکڑوں درجات ممکن ہیں ، جس قدر تکلیف زیادہ ہوگی،اس قدر ممانعت اور مذمت بھی زیادہ ہوگی۔متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے ،ایک حدیث میں یہاں تک بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "مسلمان وہی شخص ہے جس کے ہاتھ اور پاؤں (کے ضرر) سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں"۔اسی روایت کے آخر میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا جو قول ذکر کیا گیا ہے کہ بیت اللہ شریف کی جانب دیکھ کر ارشاد فرمایا: "تو کتنے ہی عظمت والا ہے اور کس قدر زیادہ احترام وادب کے آپ مستحق ہے،(لیکن) اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی بنسبت ایمان دار شخص زیادہ حرمت واحترام والا ہے" اس فرمان سے مسلمان کے قدر ومقام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے!

دوسری جس چیز سے اس روایت میں منع فرمایا گیا ہے،وہ مسلمانوں کو عار دلانا،ان کو اپنی ماضی کے کاموں پر ملامت کرنا ہے، یہ بھی سخت گناہ کی بات ہے اور اس میں اذیت کا ہونا بھی یقینی ہے کہ اس طرح کرنے سے اذیت کا ہونا بھی یقینی ہے۔ یہ بھی ان گناہوں میں سے ہے جو ہمارے معاشرے میں بہت ہی عام ہے، دو افراد کے درمیان معمولی تلخی پیدا ہوگئی تو ایک دوسرے کو عار دلانا شروع ہوا، بلکہ بہت سے غافل لوگ تو مخالف فریق کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو تلاش کرنا بھی شروع کرتے ہیں جس میں بسا اوقات سنی سنائی پر اعتماد، بدگمانی اور جھوٹ و تہمت

وغیرہ متعدد گناہوں کا بھی ارتکاب کیا جاتا ہے،اللہ تعالی ہی ہمارے حال پر رحم فرمائیں ورنہ ہم نے اپنی تباہی کا سامان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی بلکہ ہماری ایمانی کمزوری کا یہ حال ہو چکا ہے کہ کسی چیز کا گناہ یا حرام ہونا اب اس بات کے لئے کافی نہیں ہے کہ مسلمان اس سے رک جائے بلکہ اس کی دنیوی نقصانات بتانے کے ساتھ ہی یہ امید باندھی جاسکتی ہے کہ مسلمان ایسے کام سے بر طرف ہو جائیں، گو ایمان واسلام اور آخرت کا ثواب وعقاب کوئی قابل توجہ یا باعث التفات چیز ہے ہی نہیں، اگر کچھ اہمیت کی حامل ہے تو دنیوی اور مادی فائدہ و نقصان ہی ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے یا ارتکاب تو کر چکا ہے لیکن اس پر اصرار کر رہا ہے اور پچھتا کر اس سے توبہ نہیں کرتا تو اس کو اس مقصد سے عار دلانا جائز ہے کہ اس گناہ کی نفرت دل میں پیدا ہو جائے اور اس سے توبہ کرنے کی توفیق نصیب ہو جائے۔

اس روایت مبارکہ میں تیسری جس چیز سے روکا گیا ہے، وہ مسلمان کے خفیہ باتوں کا ٹٹولنا ہے، کسی مسلمان کی خفیہ باتوں کی کھوج لگانا بھی بد اخلاقی کے کاموں میں سے ہے، قرآن کریم نے بھی تجسس سے منع فرمایا ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ لوگوں کی خفیہ باتیں معلوم کرنے کی کوشش کی جائے، ان کے سربستہ رازوں کو جھانکنے کی کوشش کی جائے، یہ گناہ بھی دسیوں صورتوں کے ساتھ ہمارے معاشرے میں جلوہ گر ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔ مذکورہ روایت میں اس کا ایک نقصان یہ بھی ذکر فرمایا گیا ہے کہ جو شخص مسلمان بھائی کے خفیہ عیوب وکمزوریوں کو تلاش کرتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ اس

حدیث میں جو تین گناہوں سے منع فرمایا گیا ہے، یہ تینوں چیزیں ان امور میں سے ہیں جس سے گناہ کے بد اثرات دنیا و آخرت میں تو بجائے خود پڑتے ہیں لیکن خود معاشرتی زندگی بھی بے چینی اور بے راہ روی کی تصویر بن کر رہ جاتی ہے۔

حضور ﷺ کی بعثت کا ہدف و مقصود

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله – صلى الله عليه وسلم –: «إنما بعثت لأتمم صالح الأخلاق». [1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ بیشک مجھے نیک اخلاق کی تکمیل ہی کے لئے بھیجا گیا۔

فائدہ: اس روایت میں حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت و رسالت کا مقصد بیان فرمایا گیا ہے اور پورے حصر و ضبط کے ساتھ اس کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد یہی تھا کہ نیک اخلاق کی تکمیل فرمائے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیں صرف اخلاق ہی نہیں سکھلائے بلکہ پورا دین اور اس کے تمام تر شعبہ جات و تعلیمات آپ ﷺ ہی کی ذات مبارکہ سے امت کو ہاتھ آئے، آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے جب پورے دین کا سکھانا اور پہنچانا تھا تو پھر یہاں صرف اخلاق کی تکمیل کو ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ اس کی ایک بڑی وجہ تو یہی ہو سکتی ہے کہ دین کے دیگر حصوں میں سے اخلاقیات کے حصہ کی

---

[1] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: (كتاب البر والصلة، باب مكارم الأخلاق والعفو عمن ظلم، ج٨ ،ص ١٨٨)، (كتاب علامات النبوة، باب في حسن خلقه وحيائه وحسن معاشرته، ج٩، ص١٥)، مسند احمد الرساله: (الباب مسند ابي هريره رضي الله عنه، الجزء ١٤، ص٥١٣)

اہمیت اجاگر کرنا مقصود ہو، اور یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ شریعت جن چیزوں کو نیک اخلاق سمجھتی ہے، وہ اگر کسی شخص میں مکمل طور پر موجود ہو تو پورے دین پر چلنا بڑی آسانی و آمادگی کے ساتھ ممکن ہے اور ان اخلاق کے اپنائے بغیر پورے دین کے مطابق ظاہر اور باطن کو ڈھالنا شاید ممکن نہیں ہے، گویا یہ پورے دین پر چلنے کا ایک محفوظ اور کامیاب راستہ ہے۔

اس روایتِ مبارکہ کے مطابق جب حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا بڑا مقصد ہی اچھے اخلاق کی تکمیل کرنا ہے تو اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جو شخص اپنے اخلاق کی درستگی کرے گا اور دوسرے مسلمان بھائیوں کے اخلاق کی درستگی کی فکر کرے گا وہ حضور ﷺ کے ہدف کو پورا کرنے میں مددگار شمار ہو گا، جو جس درجہ زیادہ محنت و مشقت کرے گا وہ اسی قدر زیادہ معین و مددگار ثابت ہو گا اور جس طرح دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جو شخص دلی خلوص وجذبے کے ساتھ دوسرے شخص کے کام میں اس کا ہاتھ بٹھاتا ہے تو وہ جس قدر عالی ظرف ہوتا ہے، اتنا ہی ہاتھ بٹھانے والے کو نوازتا ہے یوں ہی جو شخص معاشرے کی اخلاقی تربیت کرے گا اور اس راہ میں خلوص و دیانت داری کے ساتھ لگا رہے گا، قوی امید ہے کہ اس کو حضور ﷺ کی توجہ و عنایت حاصل ہو گی جو دنیا و آخرت میں کامیابی کی کلید ہے۔

دنیا میں ہر عقل مند کا مشاہدہ ہے کہ جس قدر فائدہ اور مقصود بڑا اور اہمیت کا حامل ہوتا ہے، اسی قدر اس کے لئے محنت بھی کرنی پڑتی ہے اور مشقت بھی زیادہ جھیلنی پڑتی ہے، دس ہزار روپے کمانے کے لئے یا دس مرلہ پلاٹ حاصل کرنے کے لئے اتنی محنت نہیں کرنی پڑتی جو لاکھ روپے کمانے یا دس ایکڑ زمین حاصل

کرنے کے لئے کرنی پڑتی ہے، یوں ہی اس قدر عظیم کامیابی کے لئے بھی عام چیزوں سے کچھ زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے اور مشقت بھی کچھ زیادہ ہی جھیلنی پڑتی ہے،اس، جن خوش نصیب مسلمانوں کو اپنے اخلاق درست کرنے کی فکر نصیب ہو جاتی ہے یا دوسروں کی اصلاح ودرستگی کا موقع نصیب ہو جائے، ان کو اس راہ میں آنے والے مشکلات سے تنگ دل نہیں ہونا چاہئے کہ بڑے اہداف کے حاصل کرنے کے لئے بڑی ہی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

تین بہترین اعمال

عن عقبة بن عامر قال: «ثم لقيت رسول الله – صلى الله عليه وسلم – فأخذت بيده فقلت: يا رسول الله، أخبرني بفواضل الأعمال. فقال: " يا عقبة، صل من قطعك، وأعط من حرمك، وأعرض عمن ظلمك» [1]

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملا، پس میں نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: یارسول اللہ فضیلت والی اعمال کے بارے میں آپ مجھے بتائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے ساتھ رشتہ داری نباؤ جو آپ سے قطع تعلق کرتا ہے اور اسے دے دو جو آپ کو محروم کرتا ہے، اور رو گردانی کر اس سے جو آپ پر ظلم کرتا ہے۔

---

[1] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:(كتاب البر والصلة، باب مكارم الأخلاق والعفو عمن ظلم، ج٨ ،ص ١٨٨)،مسند احمد الساله:(مسند الشاميين، حديث عقبة بن عامر الجهني (١) عن النبي صلى الله عليه وسلم،الجزء ٢٨ ،ص٥٧٠)

لڑائی جھگڑے میں شیطان کی شرکت

عن أبي هريرة، «أن رجلا شتم أبا بكر، والنبي – صلى الله عليه وسلم – جالس، فجعل النبي – صلى الله عليه وسلم – يعجب ويتبسم، فلما أكثر رد عليه بعض قوله، فغضب النبي – صلى الله عليه وسلم – وقام، فلحقه أبو بكر فقال: يا رسول الله، كان يشتمني وأنت جالس، فلما رددت عليه بعض قوله غضبت وقمت؟ قال: ((إنه كان معك ملك يرد عنك، فلما رددت عليه بعض قوله وقع الشيطان، فلم أكن لأقعد مع الشيطان)). ثم قال: ((يا أبا بكر ثلاث كلهن حق: ما من عبد ظلم بمظلمة فيغضي عنها لله عز وجل، إلا أعز الله بها نصره، وما فتح رجل باب عطية يريد بها صلة إلا زاده بها كثرة، وما فتح باب مسألة يريد بها كثرة إلا زاده الله بها قلة)). [1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابو بکرؓ کو برا بھلا کہا اس حال میں کہ نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے، تو آپ ﷺ تعجب کرتے اور مسکراتے، جب اس نے بار بار تکلیف پہنچائی تو صدیق اکبر نے اسے جواب میں کچھ کہہ دیا، (جو ہی ابو بکر نے جواب دیا) تو آپ ﷺ غصہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے، تو ابو بکرؓ نے کہا: یارسول اللہ جب وہ مجھے گالی دیتا تھا تو آپ بیٹھے رہے جو ہی میں نے جواب میں اسے کچھ کہہ دیا تو آپ غصہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ

---

[1] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:(كتاب البر والصلة، باب مكارم الأخلاق والعفو عمن ظلم،ج٨ ،ص ١٨٩)

آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا ہے وہ اس تکلیف پہنچانے والے کو جواب دیتا رہا، جب تم نے اسے جواب دیا تو درمیان میں شیطان آپڑا؛ لہذا میں شیطان کے ساتھ بیٹھنے والا نہیں ہوں، پھر فرمایا: اے ابو بکر باتیں حق ہیں: جس شخص پر کوئی ظلم ہو جائے اور وہاں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس کو برداشت کرلے، تو اس پر اللہ تعالیٰ (خوش ہوتے ہیں اور) اس کی نصرت فرماتے ہیں، اور جو شخص نیک نیتی کے ساتھ مال خرچ کرنے کا دروازہ کھولتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے بہت دیتے ہیں، اور جو شخص زیادہ مال ومتاع جمع کرنے کے لئے بھیک کا سلسلہ شروع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کو بہت قلت عنایت فرماتے ہیں۔

فائدہ: اس روایت سے ایک تو یہ سبق ملتا ہے کہ جس مجلس میں شیطان کا عمل دخل ہو جائے، وہاں بیٹھنے سے گریز کر لینا چاہئے، قرآن کریم میں بھی غلط اور ناجائز باتوں پر مشتمل مجالس میں بیٹھنے یا بیٹھے رہنے سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔

دوسری یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کسی شخص کو ناحق برا بھلا کہا جاتا رہے اور وہ اس پر صبر وبرداشت سے کام لیتا رہے تو اس اچھے اخلاق پر کار بند رہنے کا نہ صرف یہ کہ ثواب ملے گا بلکہ فرشتہ بھی اس کی طرف سے جواب دیتا رہے گا، لہٰذا ناحق کسی کو بُرا بھلا کہنے والے کو بھی ہوشیار وخبر دار رہنا چاہئے کہ مخاطب گو اس کا جواب نہ دے یا نہ دے سکے، لیکن فرشتے ضرور اس کا جواب دیں گے اور گمان یہی ہے کہ انسان کے جواب دینے سے معصوم فرشتوں کا جواب دینا زیادہ کارگر ہو۔

اس حدیث سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ باہمی نزاع و جھگڑے کے وقت شیطان درمیان میں ہوتا ہے،اس لئے دونوں فریق کا اعتدال پر برقرار رہنا بڑا مشکل ہوتا ہے،اس لئے جو شخص اپنے دین وآخرت کی فکر کرتا ہے،اس کے لئے ضروری ہے کہ جہاں تک ہوسکے،اپنے آپ کو جھگڑے کے ماحول سے دور دور ہی رکھے،خواہ اس کے لئے اپنے مال یا وجاہت کی قربانی بھی دینی پڑے،چنانچہ احادیث مبارکہ میں اس شخص کے لئے جنت میں گھر کی خوشخبری وارد ہوئی ہے جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا کرنا چھوڑ دے۔ افسوس کہ یہ تعلیم اس امت کو دی گئی ہے جس کے ہزاروں افراد جھگڑتے رہنے ہی میں لذت محسوس کرتے ہیں، بات بات پر جھگڑا قائم کرنا ان کا مزاج و مذاق بن چکا ہے حالانکہ تجربے کی بات یہ ہے کہ جن مسائل کو بنیاد بنا کر لوگ لڑتے جھگڑتے ہیں،ان میں سے اکثریت ان مسائل کی ہے جو پیار و محبت اور باہمی حساب وکتاب سے آسانی کے ساتھ حل ہوسکتے ہیں ۔ نیز لڑائی جھگڑے سے مسئلہ حل نہیں ہوتے بلکہ الجھاؤ پیدا ہوتا ہے جس سے مزید مسائل جنم لینا شروع کرتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان جو کچھ پیار ومحبت اور اعتماد کا تعلق تھا،وہ واضح ہے،اس کے باوجود آپ ﷺ اس مجلس سے فوراً اٹھے،اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ دوستی اور تعلق کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہر مناسب اور نامناسب بات میں اس کا ساتھ دیا جائے بلکہ دوستی ورشتہ داری ہو یا نفرت ودشمنی،ہر کام میں شرعی پابندیوں اور حدود کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

حدیثِ مبارکہ کے آخر میں حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت صدیق اکبر کو جن تین باتوں کی نصیحت فرمائی ہے، وہ بہت اہم ہیں، ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس کو لوح دل پر نقش کرکے رکھ دے، جس شخص پر ذاتی حیثیت سے کوئی ظلم ہو جائے اور وہاں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس کو سہہ لے، مثال کے طور پر یہ مقصود ہو کہ اس اعراض کرنے اور معاف کرنے پر اللہ تعالی راضی ہو یا یہ ڈر ہو کہ انتقام لینے کی صورت میں کسی گناہ کا ارتکاب کرنا پڑے گا، وغیرہ۔اس طرح اعراض کرنے پر اللہ تعالیٰ (خوش ہوتے ہیں اور) اس کی نصرت فرماتے ہیں۔ جو شخص نیک نیتی کے ساتھ مال خرچ کرنے کا دروازہ کھولتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے بہت دیتے ہیں، جو شخص زیادہ مال و متاع جمع کرنے کے لئے بھیک کا سلسلہ شروع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کو بہت قلت عنایت فرماتے ہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ صرف ظاہری اور مادی اسباب ہی سب کچھ نہیں ہیں اور صرف انہی اسباب پر کارخانہ عالم قائم نہیں ہے بلکہ جس طرح ظاہری اسباب ایک حد تک اثرانداز نظر آتے ہیں، یوں ہی ہر چیز کے کچھ باطنی اور روحانی اسباب بھی ہوتے ہیں اور ایک مسلمان کو ان پر نظر مرکوز رکھ لینی چاہئے، اب صدقہ دینا اور خدا کی راہ میں مال خرچ کرنا تو مال کم ہونے کا سبب ہے لیکن اس پر زیادہ ملنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے، یوں ہی بھیک مانگ کر مال و دولت جمع کرنا تو مال بڑھنے کا سبب ہے لیکن اس پر مال کم ہو جانے کی پیش گوئی فرمائی گئی ہے۔ بات یہ ہے کہ کارخانہ عالم کا ہر نقل و تغیر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی مرضی و حکمت کے مطابق ہوتا ہے، اس کے ساتھ تعلق مضبوط ہو تو سارے مسائل آسان ہو جاتے ہیں۔

تین ضروری اعمال جن کے بغیر نیکیاں باعث تسلی نہیں

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ وَاحِدَةٌ مِنْ ثَلَاثٍ فَلَا يَحْتَسِبُ بِشَيْءٍ مِنْ عَمَلِهِ، مَنْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ تَقْوَى تَحْجُزُهُ عَنِ الْمَحَارِمِ، أَوْ حِلْمٌ يَكُفُّهُ عَنْ غَيِّهِ، أَوْ خُلُقٌ يَعِيشُ بِهِ فِي النَّاسِ»[1]

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی میں تین چیزوں میں سے ایک نہ ہو، وہ اپنے عمل کو کسی شمار میں نہ لائے، جس میں ایسا تقوی نہ ہو جو اس کو محارم سے روکے، اور ایسا حلم نہ ہو جو اس کو سرکشی سے باز رکھے۔ اور ایسے اخلاق نہ ہوں جن کے ذریعے لوگوں میں زندگی بسر کرے۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں جو تین چیزیں ذکر کی گئیں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کے بغیر نیکیوں پر جم کر رہنا اور بداخلاقی اور گناہوں سے بچا رہنا بڑا مشکل ہے، چنانچہ ہوتا یوں ہے کہ آدمی نیکیوں پر نیکیاں کرتا رہے گا لیکن ساتھ ساتھ ایسے گناہ بھی صادر ہوتے رہیں گے جن کی وجہ سے ان نیکیوں کا ثمرہ ہاتھ نہیں آئے گا بلکہ بعض اوقات ایسی حرکات صادر ہونا بھی کوئی بعید نہیں ہے جن کی وجہ سے اصل دین وایمان ہی سے ہاتھ دھونا پڑے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بیلچے کے ذریعے ہاتھ گاڑی کو ریت / مٹی سے بھر رہا ہو لیکن دوسری طرف دوسرا شخص اس سے مضبوط بیلچہ ہاتھ میں لے کر اس کو خالی کر رہا ہو، ظاہر ہے کہ کتنی ہی محنت کی جائے ایسی ہاتھ گاڑی کبھی نہیں بھرے گی بلکہ خطرہ ہے کہ کہیں

---

[1] مكارم الأخلاق للطبراني :(بَابُ فَضْلِ الرِّفْقِ وَالْحِلْمِ وَالْأَنَاةِ،ص۳۲۲)

مایوس ہوکر بھرنے والا محنت کرنا ہی چھوڑ نہ دے، یوں ہی جب کوئی شخص نفلی عبادات اور نیکیاں تو بہت کرتا ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ گناہوں سے رکنے کا اہتمام نہ کرتا ہو تو اس کی محنت بے نتیجہ اور سعی لاحاصل ثابت ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

اگر کوئی شخص نیکی بھی کر رہا ہو اور ساتھ وہ تین صفات بھی اپنے اندر رکھتا ہو جو اس روایت مبارکہ میں ذکر فرمائی گئیں ہیں تو البتہ یہ شخص واقعۃً نیکی کمانے والا ہے اور اللہ تعالی کی توفیق شاملِ حال رہی تو اس کی محنت نتیجہ خیز اور بارآور ثابت ہوگی۔ اس روایت مبارکہ میں یوں تو تین چیزیں ذکر فرمائی گئیں ہیں لیکن مجموعی طور پر تینوں کو اچھے اخلاق کے اندر شامل کر لیا جاسکتا ہے۔اس سے اخلاق کی غیر معمولی اہمیت ثابت ہو جاتی ہے کہ جب تک دلی صفات اور اخلاق کی اصلاح مکمل نہیں ہوتی تب تک نیکیوں پر بھروسہ کرنا مشکل ہے کیونکہ اخلاقی خرابی کسی نہ کسی حالت میں ایسے گناہوں پر ابھار کر رہے گی جن کی وجہ سے نیکیوں کا اچھا ثمرہ ہاتھ سے نکل سکتا ہے۔ لہٰذا جس طرح ہم دنیا میں ممکنہ خطرات ونقصانات سے بچنے اور محفوظ رہنے کے لئے پہلے سے مختلف قسم کے بندوبست کرتے ہیں اور اس میں خاطر خواہ مالی اخراجات اور بدنی مشقت بھی برداشت کرتے ہیں، ٹھیک اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم روزِ آخرت اور اس دن کے حساب وکتاب میں متوقع اس نقصان سے بچنے کا ابھی سے بندوبست کرلیں، ورنہ دنیا کے نقصانات کی تلافی ممکن ہوتی ہے لیکن وہاں دوبارہ زندگی بھی نہیں ملنی کہ تلافی ہوسکے بلکہ حسرت ہی حسرت کا سماں ہوگا۔

حسن اخلاق کے لئے دعاء کی اہمیت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ أَحْسَنْتَ خَلْقِي فَأَحْسِنْ خُلُقِي». [1]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے "اے اللہ! تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے پس تو میرے اخلاق بھی اچھے بنا دے"۔

فائدہ: احادیث مبارکہ میں مختلف چھوٹے بڑے کاموں سے متعلق مختلف دعائیں وارد ہوئی ہیں، اس کی حکمتوں میں سے ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ ہر وقت خدا تعالیٰ کی یاد رہے، کسی وقت انسان اس سے غافل نہ ہو۔ ظلم و ستم اور ساری خرابیوں و فسادات کی بنیادی مقدمہ یہی ہوتا ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے، اس کو اپنی حیثیت اور اپنا انجام بھول جاتا ہے، نیکیوں اور تمام اچھے کاموں کا بنیادی سر چشمہ یہی خدا تعالیٰ کی یاد اور اس کا استحضار ہے، اس عظیم مقصود کو حاصل کرنے کا آسان ترین اور محفوظ تر راستہ اگر کوئی ہے تو یہی کہ مسنون دعاؤں کا اہتمام کیا جائے، لیکن صرف الفاظ پڑھنا زیادہ مفید نہیں ہے بلکہ مفہوم کے استحضار کے ساتھ اہتمام نتیجہ خیز نسخہ ہے، دعائیں پڑھنے کی چیز نہیں ہے بلکہ مانگنے کی چیز ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لاکھوں احسانات میں سے ایک ہے کہ امت کو اس قدر

---

[1] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: (كتاب الأدب، باب ما جاء في حسن الخلق، ج٨، ص٢٠ / كتاب الأدعية، باب الأدعية المأثورة عن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – التي دعا بها وعلمها، ج١٠، ص١٧٣)، مسند احمد الرسالة: (مسند النساء، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنها، الجزء ٤٠، ص٤٥٧)

عظیم مقصد حاصل کرنے کا اس قدر سہل اور بے تکلف راستہ سمجھایا ہے، کاش کوئی ان کی سچے معنی میں قدر دانی کریں۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی درستگی اور شریعت کے منشا کے مطابق اس کو ڈھالنے کے لئے جس طرح محنت اور مجاہدہ کی ضرورت ہے، یوں ہی اپنی محنت پر قناعت اور اسی پر مطمئن ہو جانا بالکل کافی نہیں ہے بلکہ دیگر تمام باتوں کی طرح اس بات میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لینا چاہئے اور اپنی اخلاقی درستگی کے لئے اس سے لجاجت کے ساتھ دعاء مانگتے رہنا چاہئے۔ اخلاق کی درستگی کوئی ایسا ہدف نہیں ہے جس تک پہنچ کر مطمئن ہو جایا جائے اور اس کے بعد بے فکری کی زندگی گزاری جائے بلکہ یہ تو زندگی بھر کا معاملہ ہے چنانچہ اخلاق اگر درست بھی ہیں تو ان کے بگڑنے میں ذرا دیر نہیں لگتی، لہٰذا اس باب میں مطمئن ہو جانا ناکامی کا مترادف ہو سکتا ہے۔

مخلوق کے لئے دو آسان اور مثالی اخلاق

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ: «لَقِيَ رَسُولُ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَبَا ذَرٍّ فَقَالَ: ((يَا أَبَا ذَرٍّ، أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى خَصْلَتَيْنِ هُمَا أَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ، وَأَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ غَيْرِهِمَا؟)) قَالَ: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ. قَالَ: ((عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْخُلُقِ، وَطُولِ الصَّمْتِ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، مَا تَجَمَّلَ

الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا»)).رَوَاهُ أَبُو يَعْلَى وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ، وَرِجَالُ أَبِي يَعْلَى ثِقَاتٌ.[۱]

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ابوذرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی، پس آپ ﷺ نے اسے فرمایا: اے ابوذر کیا میں تجھے دو خصلتوں کے بارے میں نہ بتاؤ کہ ان کو پشت پر اٹھانا آسان اور ہلکا ہے لیکن قیامت کے دن میزانِ عمل میں دوسرے اعمال سے زیادہ وزنی ہیں؟ ابوذرؓ نے فرمایا کیوں نہیں یارسول اللہ، آپ ﷺ نے فرمایا: تجھ پر لازم ہے اچھے اخلاق اور لمبی خاموشی، پس خدا کی قسم: مخلوق ان جیسی دو خصلتوں کے ساتھ (کبھی) متصف نہیں ہوئی۔

فائدہ: اس روایت مبارکہ میں اچھے اخلاق اور لمبی خاموشی، ان دو صفات کو اختیار کرنے پر امت کو ابھارا گیا ہے اور ان دونوں خصلتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ان کو پشت پر اٹھانا اور اختیار کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے لیکن قیامت کے دن جب امت کے اچھے بُرے اعمال تولے جائیں گے تو اس وقت یہ دونوں چیزیں دیگر نیک کاموں کی بنسبت زیادہ وزن دار ثابت ہوں گی، یعنی دیگر نیکیوں کی بنسبت ان دونوں باتوں کا ثواب زیادہ ہے۔ کسی چیز پر ابھارنے کا یہ نہایت دل کش، خوبصورت اور معقول انداز ہے، دنیا میں ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ جو چیز جس قدر نفع بخش، معیاری اور مفید ہو، اسی قدر وہ مہنگی بھی پڑتی ہے، اگر کوئی چیز ایسی سامنے آئے جو معیاری اور فائدہ مند بھی ہو اور ساتھ ساتھ وہ سستی اور آسان طلب بھی ہو تو ہر کوئی اس کو طلب کرنے لگتا ہے، اس کے حاصل کرنے کے لئے

---

[۱] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:(كتاب الأدب، باب ما جاء في حسن الخلق، ج۸،ص۲۲)

قطاریں لگ جاتی ہیں، ازدحام شروع ہو جاتا ہے اور ہر کوئی دوسرے سے بڑھ چڑھ کر آگے جانے کی کوشش کرتا ہے کہ کہیں میں اس چیز کے حاصل کرنے سے محروم نہ رہوں۔

لہٰذا اسی طرح اگر ایمان کی آنکھیں بینا ہوں، قرآن وحدیث کی باتوں پر کم از کم اتنا ہی یقین ہو جتنا ہم اپنے مشاہدہ کی چیزوں پر اعتماد کرتے ہیں تو حضور نبی کریم ﷺ کی ترغیب کا یہ اسلوب ایسا ہے جو ہم میں سے ہر مسلمان کو فوری طور پر اس کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ جس طرح ہم دیگر مادی چیزوں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر آگے جاتے ہیں یوں ہی ان دو خصلتوں کے حاصل کرنے اور اپنی زندگی میں ان کو جگہ دینے میں بھی ہم بالکل دیر نہ کریں۔ حدیث شریف کے آخر میں ان خصلتوں کی مزید اہمیت جتلانے کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ خدا کی قسم: مخلوق ان جیسی دو (آسان اور نتیجہ خیز) خصلتوں کے ساتھ (کبھی) متصف نہیں ہوئی۔

جنت کے بڑے منازل اور جہنم کی بدتر جگہ جانے کا سبب

وَعَنْ أَنَسٍ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ: «إِنَّ الْعَبْدَ لَيَبْلُغُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ عَظِيمَ دَرَجَاتِ الْآخِرَةِ وَشَرِيفَ الْمَنَازِلِ، وَإِنَّهُ لَضَعِيفُ الْعِبَادَةِ، وَإِنَّهُ لَيَبْلُغُ بِسُوءِ خُلُقِهِ أَسْفَلَ دَرَجَةٍ فِي

جَهَنَّمَ» .رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ عَنْ شَيْخِهِ الْمِقْدَامِ بْـنِ دَاوُدَ وَهُـوَ ضَـعِيفٌ، وَقَالَ ابْنُ دَقِيقِ الْعِيدِ فِي الْإِمَامِ: إِنَّهُ وُثِّقَ، وَبَقِيَّةُ رِجَالِهِ ثِقَاتٌ.[1]

ترجمہ: حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ انسان اپنے اچھے اخلاق کے ذریعے بلند اور بڑے درجات تک پہنچ جاتا ہے اگر چہ دیگر نفلی عبادات میں وہ کمزور ہی کیوں نہ ہو۔ اور بد اخلاقی کی وجہ انسان جہنم کے نچلے درجے تک جا پہنچتا ہے۔

فائدہ: آخرت میں کامیابی مسلمان کا بنیادی مقصد اور سب سے بڑی ضرورت ہے، اسی کے لئے مسلمان دنیا میں جیتا اور اسی کے لئے مرتا ہے، اسی طرح آخرت کی ناکامی اس کا سب سے بڑا خسارہ اور عظیم نقصان ہے اور یہی وہ چیز ہے جس سے بچنے کے لئے اس کو دنیوی زندگی دی گئی ہے، یوں تو آخرت کی کامیابی اور ناکامی کا تعلق پورے دین کے ساتھ ہے، اگر پورے دین پر آدمی عمل کرتا رہے تو خدا تعالی کے فضل و کرم سے پوری کامیابی نصیب ہو گی ورنہ تو جس قدر بے دینی ہو گی، اس قدر ناکامی کا مستحق ہو گا۔ تاہم اس روایت میں وہاں کی کامیابی اور ناکامی کے اسباب میں سے بطور خاص اچھے اور برے اخلاق کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ اچھے اخلاق کی برکت سے انسان آخرت کے بڑے درجات حاصل کر سکتا ہے اگرچہ دیگر نفلی عبادات میں وہ کمزور ہی کیوں نہ ہو اور بد اخلاقی کی وجہ سے انسان جہنم کے نچلے درجے تک جا پہنچتا ہے۔

---

[1] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:(كتاب الأدب، باب ما جاء في حسن الخلق،ج۸،ص۲٤)

اس حدیث میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ جنت یا جہنم کے مستحق بننے میں جہاں دیگر اعمال کا دخل ہے وہاں اخلاقیات کا بھی اس میں اساسی کردار ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف نفلی عبادات بجالانا اور اخلاقی درستگی کی طرف سے تغافل برتنا کسی طرح کافی نہیں ہے بلکہ جب زندگی کا مقصود ہی آخرت کی تیاری اور وہاں کی کامیابی کا حاصل کرنا ہے تو مناسب یہی ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق دونوں قسم کے ذخیرے جمع کرتا رہے اور اگر کہیں دونوں کے جمع کرنے میں دقت پیش آئے تو نفلی عبادات کی کثرت پر اخلاق کی درستگی کو بہرحال مقدم کردینا چاہئے چنانچہ پہلی حدیث سے بھی اس طرف اشارہ ہوجاتا ہے کہ (نفلی)عبادات میں کمی کمزوری کے باوجود اچھے اور بھلے اخلاق وعادات کی وجہ سے انسان آخرت کے بڑے درجات حاصل کرپائے گا۔

خدا کی تعظیم ومحبت کے تقاضے

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ، وَإِكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ»[1]

ترجمہ: حضرت ابوموسی اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور بزرگی میں سے ہے کہ سفید بالوں والے مسلمان کا اکرام کیا

---

[1] سنن أبي داود :(كتاب الأدب ،باب في تنزيل الناس منازلهم، ج٤ ،ص٢٦١)/ الأداب للبيهقي:(باب في رحمة الصغير وتوقير الكبير، ج١ ،ص١٨)

جائے،اور قرآن کے حامل کا اکرام کیا جائے،جو اس میں غلو اور کمی کرنے والا نہ ہو،اور عادل بادشاہ کا اکرام کیا جائے۔

فائدہ:اس روایت مبارکہ میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم وادب میں سے یہ بھی ہے کہ مذکورہ تین افراد کا اعزاز واکرام کیا جائے، کسی کا ادب واحترام کرنا بھی نیک اخلاق کا نتیجہ اور اسی کا ثمرہ ہے۔ان تین قسم کے لوگوں کی تعظیم کو جو یہ مقام حاصل ہے،اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے ان افراد کے اکرام کرنے اور ان کو اعزاز بخشنے کا حکم دیا ہے،اور اللہ تعالیٰ کو ماننے،اس پر ایمان لانے اور اس کی تعظیم وبندگی کرنے کا اصل تقاضا یہی ہے کہ اس کی بات مانی جائے،شریعت اللہ تعالیٰ کے احکام ہی سے عبارت ہے۔اب اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو تو مانتا ہے لیکن اس کی بات نہیں مانتا،اس کے احکام وشریعت پر عمل نہیں کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق انجام دینے سے محروم ہی محروم رہا اور اس کا یہ دعوی کرنا، کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مانتا اور اس کی تعظیم کرتا ہے، کچھ زیادہ بجا نہیں ہے۔دنیا میں ہمارا مشاہدہ ہے کہ جو جس سے زیادہ پیار ومحبت کرتا ہے،اس کی زیادہ مانتا ہے،اگر کوئی شخص کسی کے پیار ومحبت کا بھی مدعی ہو اور اس کی ضروری باتوں کو بھی بجا نہ لاتا ہو تو یہی کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے اس دعوی میں صادق نہیں ہے،اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے اور اس کی تعظیم وبندگی کا ضروری تقاضا یہ ہے کہ اس کے تمام تر حکموں کو بجا لایا جائے اور اس سلسلے میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔

اس روایت میں جن تین افراد کے اکرام کرنے کا حکم دیا گیا ہے،ان میں سے پہلا شخص مسلمان عمر رسیدہ شخص ہے،دوسرا شخص قرآن کریم کا وہ حافظ، قاری

یاعالم ہے جو قرآن کے سلسلے میں نہ غلو کرتا ہو اور نہ ہی اس میں جفاء و کوتاہی کا شکار ہو۔قرآن میں غلو کی ایک صورت یہ ہے کہ پڑھتے وقت ضروری آداب کا لحاظ نہ رکھا جائے اور اس کے حروف ٹھیک ٹھیک طریقے سے ادا نہ کئے جائیں بلکہ اس میں کچھ بڑھایا گھٹایا جائے وغیرہ۔اسی غلو کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات میں کتر وبیونت سے کام لیا جائے،اپنی طرف سے دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کی جائیں،دین کی جو باتیں نامناسب یا ناگوار محسوس ہو،ان میں یوں ہی توڑ مروڑ سے کام لیا جائے۔ایسا شخص اکرام واعزاز کا مستحق نہیں ہے۔

تیسرا شخص جس کا اس روایت مبارکہ اعزاز کرنے کا حکم دیا گیاہے،وہ منصف بادشادہ ہے،جس شخص کا یہ حال ہو کہ بادشاہت کا منصب ملنے اور ہر طرح بااختیار ہونے کے باوجود بھی عدل وانصاف کا دامن تھامے رکھے،وہ بلاشبہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی خوب اعزاز کی جائے۔

تعظیم واکرام کے مختلف فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس سے متعلقہ شخص کی حوصلہ افزائی ہو جاتی ہے اور وہ اس بات میں مزید ترقی حاصل کرنا چاہتا ہے،اگر حوصلہ افزائی کرنے والے اس پہلو کی نیت کرے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بڑی امید کی جاسکتی ہے کہ وہ بہت ہی نوازنے والا اور بہت کچھ دینے والا ہے۔

چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے احترام کی اہمیت

جَاءَ شَيْخٌ يُرِيدُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَبْطَأَ القَوْمُ عَنْهُ أَنْ يُوَسِّعُوا لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا.[1]

ترجمہ: ایک بوڑھا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجلس میں شرکت کے لئے آیا، اہل مجلس نے اس کو جگہ دینے میں دیر کی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کی تعظیم نہ کرے۔

فائدہ: اس حدیث سے ہم جیسوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ معاشرے میں جہاں کوئی دینی کمزوری نظر آجائے، تو جہاں تک ہو سکے، بروقت اس کی فکر کر لینی چاہیئے، خواہ اس کوتاہی کا تعلق نماز و عبادت کے ساتھ ہو، ادب واخلاق کے ساتھ ہو یا معاشرتی حقوق کے ساتھ۔ چنانچہ یہاں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجلس میں کوتاہی دیکھی تو فوراً ہی اس پر تنبیہ فرمائی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھوٹوں پر رحم کھانا اور بڑوں کی توقیر و عزت کرنا دینِ اسلام کی اہم تعلیمات میں سے ہے، اگر کوئی شخص اس میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ صحیح معنی میں مسلمان نہیں ہے کیونکہ اس نے پورے دین کو اپنی زندگی میں جگہ نہیں دی، اپنی پوری زندگی کو دین کے سانچے میں نہیں ڈھالا جبکہ کامل مسلمان تو ہوتا ہی وہی شخص ہے جو پورے دین پر عمل کرتا رہے۔ چھوٹوں پر رحم کرنے اور بڑوں کے ادب واحترام کرنے سے معاشرے میں

[1] سنن الترمذي ت بشار: (أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في رحمة الصبيان، ج٣، ص٣٨٥)

پیار و محبت کی فضاء پیدا ہوتی ہے، آپس کے تعلقات میں بہتری اور اعتماد کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے جو خوشگوار دنیوی زندگی کے لئے بھی ضروری ہے اور ایسے ماحول کے بغیر دینی احکام پر پوری آمادگی کے ساتھ عمل کرنا بھی بڑا مشکل ہے۔

حضرت معاذ کو حضور ﷺ کی آخری نصیحت

معاذ: كان آخر ما أوصاني به النبي – صلى الله عليه وسلم – حين وضعت رجلي في الغرز أن قال: يا معاذ أحسن خلقك للناس. للموطأ [1]

ترجمہ: حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ رخصت کرتے وقت جب میں نے اپنی پاؤں سواری کے رکاب میں رکھی تو آپ ﷺ نے مجھے آخری یہ نصیحت فرمائی تھی کہ اے معاذ: لوگوں کے لئے اپنے اخلاق کو اچھا کر لو۔

فائدہ: حضرت مُعاذ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ جب یمن کا گورنر بنا کر بھیج رہے تھے تو رخصت کرتے وقت ان کے ساتھ دور تک تشریف لے گئے تھے اور ساتھ ساتھ مختلف نصیحتیں بھی فرما رہے تھے، اس وقت یہ نصیحت بھی فرمائی تھی کہ اے معاذ: لوگوں کے لئے اپنے اخلاق کو اچھا کر لو۔ لوگوں کے لئے اخلاق اچھا کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی تعریف اور واہ واہ حاصل کرنے کے لئے اخلاق کو درست کر لیا جائے بلکہ بہت سے اخلاق ایسے ہیں جن کا تعلق لوگوں

---

[1] جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد: كتاب الآداب والسلام والجواب والمصافحة وتقبيل اليد والقيام للداخل، التوادد وكتمان السر وصلاح ذات البين والاحترام وحسن الخلق والحياء وغيرها من الآداب، ج٣،ص٣١٧)

کے ساتھ ہے، لوگوں کے ساتھ عملی برتاؤ کے وقت ہی ان کی اچھائی برائی کا پتہ چلتا ہے اور ایسے اخلاق کو درست کرنا انسانی نفس پر بڑا بھاری ہوتا ہے، مثال کے طور پر صبر وبرداشت، نرم خوئی اور نرم جوئی وغیرہ۔ روایت مبارکہ میں ان جیسے اخلاق کی درستگی پر خاص طور پر توجہ دی گئی ہے جس کی ایک بڑی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت معاذ گورنر بن کر جارہے تھے، لوگ اپنی مختلف ضرورتوں کی تکمیل میں گورنروں کا سہارا لیتے ہیں، اگر اس کے اخلاق معیاری نہ ہوں تو اس سے شریف لوگوں کا اپنا حق وصول کرنا ہی مشکل ہو جائے گا اور لوگ مشقت میں مبتلا ہو جائیں گے۔

اس سے یہ بات بھی آشکارا ہو جاتی ہے کہ اخلاق درست ہوں تو معاشرے میں سکون ومحبت کی فضاء پھیلتی ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ گورنر اور تمام وہ لوگ جو کسی درجے میں اختیار واقتدار رکھتے ہیں، ان کو بطور خاص اخلاق کے درست کرنے کی طرف توجہ دیدینی چاہئے۔ اس بات میں کسی مسلمان کو کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ جس طرح حضرت معاذ اور دیگر صحابہ کرام کے لئے نمونہ اور پیامبر ﷺ کی حیثیت رکھتے تھے، یوں ہی ہمارے لئے آپ ﷺ کی یہی مبارک حیثیت ہے، لہٰذا جس طرح ان جیسی نصیحتیں ان حضرات کے لئے تھیں اور جس طرح وہ بلند پایہ حضرات آپ ﷺ کی ان باتوں پر پوری پابندی، جرات مندی اور استقامت کے ساتھ عمل کر کے گزر گئے، یوں ہی ہمیں بھی ان کو نمونہ بنا کر ایسا ہی اقدام کر لینا چاہئے۔

خدا تعالیٰ سے حیاء کرنے کا حق

عن عبد الله بن مسعود، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: استحيوا من الله حق الحياء. قال: قلنا: يا رسول الله إنا نستحيي والحمد لله، قال: ليس ذاك، ولكن الاستحياء من الله حق الحياء أن تحفظ الرأس وما وعى، والبطن وما حوى، ولتذكر الموت والبلى، ومن أراد الآخرة ترك زينة الدنيا، فمن فعل ذلك فقد استحيا من الله حق الحياء.[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے حیا کرو جیسا کہ اس سے حیا کرنے کا حق ہے، صحابہ نے عرض کیا: الحمد للہ! ہم اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ حیا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنا جیسا اس سے حیا کرنے کا حق ہے: یہ ہے کہ آپ سر اور جن چیزوں کو سر نے جمع کیا ہے، کی نگہداشت کریں، اور پیٹ کی اور ان اعضاء کی جن کو پیٹ نے سمیٹا ہے نگہداشت کریں، اور موت اور بوسیدہ ہونے کو یاد کریں، پس جو شخص آخرت کو اپنا مقصد بناتا ہے وہ دنیا کی آرائش سے دستبردار ہو جاتا ہے، اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے، پس جس نے یہ کام کئے اس نے یقیناً اللہ سے حیا کی جیسا ان سے حیا کرنے کا حق ہے۔

فائدہ: یہ حدیث بھی ان بیسیوں احادیث میں سے ایک ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علمی و عقلی کمالات کا نمونہ ہے، ان احادیث کو بعض روایات میں "جوامع الکلم"

---

[1] سنن الترمذي ت بشار :(أبواب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، ج٤ ،ص٢١٨)

فرمایا گیا ہے، جہاں مختصر سی عبارت میں بہت علمی فوائد جمع ہوتے ہیں۔ یہ روایت اس قدر مختصر ہے لیکن اس کے باوجود اس میں تمام گناہوں اور منکرات سے بچنے کا اہتمام کیا گیا ہے اور سب کے اہتمام کرنے کو "حیاء" کا نام دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے سچے معنی میں حیاء کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جن جن چیزوں سے دین وشریعت میں ممانعت فرمائی گئی ہے، انسان اس سے ہر قیمت پر رُکا رہے اور کسی بھی تقاضا کے تحت کسی بھی گناہ کے قریب نہ جائے۔

دنیا میں ہم والدین، اساتذہ، بڑے عمر کے افراد اور دیگر معزز لوگوں سے جو حیاء کرتے ہیں اور حیاء کے مارے ان کے سامنے ایسا کام نہیں کرتے جو ننگ وعار کا موجب ہو، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمارے محسن ہوتے ہیں، یا ہم سے علم، عمل یا عمر وغیرہ میں بڑے ہوتے ہیں، ان جیسے تمام اسباب اللہ تعالیٰ کے حق میں موجود ہیں، وہ سب سے بڑھ کر محسن بھی ہے اور اپنی شان کے مطابق جتنی کمال کی باتیں ہیں، سب کا وہ جامع ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ حق دار ہے کہ ہر مسلمان اس سے سچے صحیح معنی میں حیاء کریں اور اس کے سامنے کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اس نے ممانعت کر رکھی ہو، یہ وہ چیز ہے جس نے بہت سے بزرگوں کو تمام گناہوں سے روکنے کا کام کیا اور بات کچھ زیادہ مشکل بھی نہیں ہے کیونکہ جب اللہ تعالی ہر چیز سننے دیکھنے اور جاننے والے ہیں تو آخر کونسی ایسی جگہ میسر ہوسکتی ہے جہاں کوئی شخص خدا تعالیٰ سے چھپ چھپا کر گناہ بھی کرے؟۔

کیا اللہ تعالیٰ کے ہمارے اوپر اتنے احسانات بھی نہیں ہیں جتنے ہمارے والدین، اساتذہ یا دیگر قومی بزرگوں کے سمجھے جاتے ہیں! کیا اللہ تعالیٰ کے

ہمارے اوپر اتنا حق بھی نہیں ہے جتنا کہ والدین وغیرہ کا ہوتا ہے کہ ان کے سامنے تو ان کی مرضی کے خلاف کام کرنے سے شرما کر رُک جاتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کے سامنے ہر وقت اس کی مرضی کے خلاف کام بڑی جرأت اور ڈھٹائی کے ساتھ کر رہے ہوتے ہیں! قرآن وحدیث میں مختلف گناہوں پر جو وعیدیں وارد ہوئی ہیں، کیا ان وعیدوں کی ہمارے ہاں اتنی بھی خوف نہیں ہے جتنا کہ شوگر بڑھنے، دل کا دورہ پڑنے یا کرونا وائرس کے شکار ہونے کا ہے کہ ان چیزوں کی ڈر سے تو ہم "پرہیز" کے نام پر بہت سے پسندیدہ غذائیں چھوڑ جاتے ہیں حالانکہ ان میں غذائی قوت کا مواد بھی شامل ہوتا ہے لیکن قرآن وحدیث کی ان وعیدوں کی ڈر سے نہ ہم اپنے اخلاق سیدھے کرتے ہیں، نہ نماز، روزہ وغیرہ عبادات کی پابندی کرتے ہیں اور نہ ہی خدا تعالیٰ کے ممنوع کردہ کاموں سے رکنے کی زحمت کرتے ہیں!

اس روایت میں چار چیزوں کے مجموعے کو حقیقی اور مکمل حیاء کا مصداق قرار دیا گیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ چاروں چیزوں کو اچھی طرح سمجھا جائے اور پھر پوری مضبوطی کے ساتھ ان پر کاربند رہا جائے۔

پہلی چیز یہ ہے کہ سر اور جو کچھ سر میں ہے، اس کی حفاظت کی جائے، حفاظت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ناپسندیدہ باتوں میں اس کو استعمال نہ ہونے دیا جائے۔ سر میں دماغ بھی آجاتا ہے اور آنکھ، کان، منہ اور زبان بھی۔ دماغ کو غلط خیالات وتصورات کے لئے استعمال نہ کیا جائے، اور دیگر اعضاء کو بھی جائز حدود میں ہی استعمال کیا جائے، آنکھ سے نامحرم عورت یا اس کی تصویر کو دیکھنا، کان سے

غلط باتیں اور غیبت وغیرہ سننا، زبان سے ناجائز باتیں کہنا یا منہ کو ممنوع چیزوں میں استعمال کرنا گناہ اور ناشکری بھی ہے اور اللہ تعالیٰ سے حیاء کے خلاف بھی۔

دوسری چیز یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ پیٹ اور جو چیزیں پیٹ کے ساتھ ملی ہوئی ہیں، ان کی حفاظت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ان کو بچایا جائے۔ اس میں حرام اور ممنوع چیزوں کو کھانا، دل کے اندر مذموم صفات عادات رکھنا، ہاتھ اور پاؤں کو دینی احکام کے برخلاف کام میں لانا اور شرمگاہ کو بے موقع و محل استعمال کرنا، یہ سب باتیں داخل ہیں اور یہ چیزیں جس طرح گناہ و مذموم ہیں، یوں ہی حیاء اور شرم کے بھی خلاف ہیں کہ جس عظیم اور محسن خدا نے دیگر بے شمار نعمتوں کے ساتھ ساتھ ان اعضاء سے نوازا ہے، اس کے سامنے ہی اس کی نافرمانی کی جائے اور معمولی وقتی لذت کی خاطر جیتے جاگتے اس کا حکم توڑ دیا جائے۔

تیسری بات یہ سکھلائی گئی ہے کہ انسان اپنے مرنے اور اس کے بعد بوسیدہ ہونے کو یاد کرتا رہے، دنیا میں جتنے بھی انسان آئے ہیں، ایک دن انہوں نے ضرور مرنا ہے۔ مرنا کیا ہے؟ اور اس کے بعد قبر میں پھر حشر میں کیا کچھ ہونے والا ہے؟ قرآن و حدیث میں بڑی تفصیل کے ساتھ ان باتوں کو کھول کھول کر بیان فرمایا گیا ہے، ان مراحل کو یاد کرنے سے دنیا کی حقیقت کھلتی ہے اور اس کا اصل قدر و مقام آشکارا ہو جاتا ہے، اس بناء پر متعدد احادیث میں موت کو یاد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، ایک روایت میں یہ مضمون بھی وارد ہوا ہے کہ لذتوں کو ختم کرنے والی چیز یعنی موت کا ذکر زیادہ کر لیا کرو، زیادہ کی مناسب اور موثر مقدار یہ ہے کہ ہفتہ میں کم از کم دو بار تنہائی میں بیٹھ کر یا قبرستان جا کر اپنے مرنے اور اس کے بعد کے

مراحل کو سوچتا رہے۔ اس یاد کرنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے جس کی طرف درج بالا حدیث شریف میں بھی اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اس سے دنیا اور اس کی نعمتوں کی قلعی کھل جاتی ہے، دنیا کی بے جا محبت رفتہ رفتہ کم ہونے لگتی ہے اور یہی دنیا کی محبت ہی اس وقت کا سب سے عظیم فتنہ ہے جس کی وجہ سے عالمی طور پر بے دینی اور بد دینی کی فضاء عام رہی ہے، جب جڑ ہی نہ رہے تو اس پر عمارت کیونکر استوار ہو سکتی ہے!

اوپر کی روایت میں چوتھی چیز یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ جو شخص آخرت اور وہاں کی کامیابی چاہتا ہے، وہ دنیا کی زینت کو چھوڑتا ہے۔ یہاں حضور ﷺ نے زینت کا لفظ ارشاد فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کی کامیابی کے لئے دنیا میں ضروری نوعیت کی چیزیں چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے، مثال کے طور پر کوئی شخص حلال کھانا، پینا چھوڑتا ہے یا ضرورت اور استطاعت کے باوجود حلال رزق کمانا چھوڑتا ہے تو ایسا کرنا نہ صرف یہ کہ ضروری نہیں ہے بلکہ غلط اور بے جا حرکت بھی ہے۔ آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لئے جو چیز ضروری ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کی زیب وزینت کو چھوڑ دیا جائے، غیر ضروری خواہشات ولذتوں کو چھوڑ دیا جائے، دنیا کے ساز وسامان اور مال ودولت کے خزانے جمع کرنے میں مقابلہ کی نفسیات کو پاؤں تلے روندھ دیا جائے۔

ان چار باتوں کے سمجھانے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ کام کر لیں، تو اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ سے ایسا حیاء کیا جس طرح کہ حیاء کرنے کا حق ہے، گویا اس نے حیاء کا حق ادا کر دیا۔

آپ ﷺ کی نظر میں عقل منداور بے وقوف شخص

عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت، والعاجز من أتبع نفسه هواها وتمنى على الله.[١]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس سے حساب لے، اور موت کے بعد کے لئے عمل کرے۔ اور بے وقوف وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہشات کے پیچھے چھوڑے، اور اللہ سے آرزو باندھے۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں ایک طرف عقل مند شخص کا تعارف فرمایا گیا ہے اور دوسری طرف عقل وفکر کی طاقت استعمال کرنے سے عاجز اور بے وقوف شخص کی پہچان کرائی گئی ہے۔ اس روایت کے مطابق عقل مند شخص وہی ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے، اس کی ہر خواہش پر کان نہ دھرے کہ جو جی میں آئے، کر گزرے، بلکہ اپنی خواہش کو شریعت کے ترازو میں رکھ کر کوئی اقدام کرے، اگر کوئی خواہش شریعت کے حکم کے خلاف ہے تو خواہ وہ کتنی ہی شدت کے ساتھ دل میں کیوں پیدا نہ ہو لیکن اس پر بالکل عمل نہ کرے، ایسا کرنا ایک وقت

[١] سنن الترمذي ت بشار :(أبواب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، ج٤، ص٢١٩)/ مسند احمدالرساله:(مسند الشاميين، حديث شداد بن أوس، ج٢٨، ص٣٥٠)/ سنن ابن ماجه:(كتاب الزهد، باب ذكر الموت والاستعداد له، ج٢، ص١٤٢٣)/المعجم الكبيرللطبراني:(باب الشين، ج٧، ص٢٨١)/ المستدرك على الصحيحين للحاكم: (كتاب الإيمان، ج١، ص١٢٥)/ السنن الكبرى للبيهقي:(كتاب الجنائز، باب ما ينبغي لكل مسلم أن يستعمله من قصر الأمل والاستعداد للموت فإن الأمر قريب، ج٣، ص٥١٦)

تک تو تکلیف واذیت کا باعث ہو سکتا ہے لیکن رفتہ رفتہ نفس بھی عادی ہو جاتا ہے اور پھر وہ زیادہ اذیت بھی باقی نہیں رہتی۔

بہرحال عقل مند آدمی وہ ہے جو نفس کو بالکل بے لگام نہ چھوڑے اور اس کے ہر تقاضے کو پورا نہ کرے بلکہ شریعت کے ترازو میں اپنی خواہشات کو تولتا رہے اور ساتھ آخرت کی تیاری کرتا رہے، آخرت کی تیاری یہی ہے کہ اللہ ،اس کے رسول ﷺ اور روزِ آخرت پر ایمان لاکر نیکیوں کو انجام دینے اور برائیوں سے رُکے رہنے کی پابندی کی جائے۔اس کے مقابل میں کمزور اور بے وقوف شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہشات کے تابع کر دے یعنی نفس کی خواہشات کو پورا کرتا رہے ،جو جی میں آتا ہے کر گزرتا ہے ، یہ نہیں دیکھتا کہ جس خواہش کو میں پورا کرنا چارہ رہا ہوں ،وہ شرعی تعلیمات کے مطابق بھی ہے یا نہیں؟ لیکن اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں بڑی تمنائیں کرتا ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے، مجھے کیونکر عذاب دے گا؟ یا مجھے عذاب دیکر کیا کرے گا؟ان باتوں کی وجہ سے مزید حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے اور گناہوں کے کرنے پر جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔

دین داری اور اچھے اخلاق کی جڑ یہی (ناجائز)خواہشات کی خلاف ورزی کرنا ہے اور بے دینی اور بداخلاقی کی اصل واساس یہی خواہشات کی تابعداری اور ان پر عمل کرنا ہی ہے۔ جو شخص اپنے نفس کی مرضی پر نہ چلے بلکہ تمام چاہتوں اور خواہشات کو اسلامی ہدایات کے مطابق ہی نمٹ لیتا ہے، وہ آپ ﷺ کی نظر میں سب سے زیادہ عقل مند اور ہوشیار شخص ہے اور جو شخص جس قدر زیادہ اپنے نفس کی چاہتوں اور خواہشات کے پیچھے رہتا ہے، وہ اسی قدر زیادہ بے وقوف اور عقل کی

نعمت سے محروم یااس کے استعمال سے عاجز شخص ہے۔ ارے اس بات میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ جو شخص وقتی لذت اور محدود نفع کو چھوڑ کر اس کے بدلے ہمیشہ کے مزے اور ابدی فوائد کو سمیٹ لے وہ عقل مند ہے اور جو اس کے بر عکس وقتی فائدے اور حقیر سے منافع کی عوض دائمی عذاب و خسارے میں کھود پڑے، ایسا شخص پرلے درجے کا بے وقوف اور احمق ہے!

دنیوی خواہشات اور مادی نفع کی خاطر جو لوگ دینی تعلیمات کو پھلانگ کر کے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، وہ اپنے مستقبل پر رحم کر کے دیانت داری کے ساتھ اس بات کا جائزہ لے لیں کہ کیا کھوئے گا اور کیا پائے گا؟ تو واضح ہو جائے گا کہ بہت سے گناہ تو ایسے ہیں جو بالکل ہی بے لذت اور خالی از نفع ہیں اور بعض گناہوں میں جو وقتی طور پر لذت، مزہ یا نفع نظر آتا ہے تو وہ کم بھی ہوتا ہے اور ساتھ وقتی نوعیت کا بھی ہوتا ہے اور کچھ بھی نہ ہو تو اتنی بات تو انسان جانتا ہے کہ موت ایک اٹل حقیقت اور ناقابل انکار سچ ہے، وہ آ کر تمام چیزوں کا صفایا کر ہی لے گا، اس واضح سی حقیقت کے بعد بھی اپنی من مانی زندگی گزارنا اور دینی تعلیمات کی طرف سے غفلت برتنا، جس طرح کہ اس وقت اجتماعی طور پر دیکھنے میں آتا ہے، ایک مسلمان سے متصور نہیں ہے! مگر ہائے افسوس کیا کریں! جس طرح یرقان کے مریض کو ہر چیز زرد نظر آتی ہے اور سفید چیز بھی اس کی نظروں میں زردی کی شکل دھار لیتی ہے یوں ہی فتنوں کے زمانے میں انسانی فکر و شعور ہی بدل جاتے ہیں جس کے بعد ایک صاف سچی حقیقت سمجھنا ہی مشکل ہو جاتا ہے۔

دین تو سراسر خیر خواہی ہی ہے

عن تميم الداري أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: «الدين النصيحة» قلنا: لمن؟ قال: «لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم»[١]

ترجمہ: حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دین خیر خواہی ہے! ہم نے پوچھا: کس کے لئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لئے، اللہ تعالیٰ کی کتاب کے لئے، مسلمانوں کی حکومت کے سربراہوں کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے۔

فائدہ: اس روایت کے مطابق دین اسلام تو سراپا خیر خواہی ہی ہے اور اس خیر خواہی کا تعلق خدا تعالی، اس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ بھی ہے اور تمام تر مسلمانوں کے ساتھ بھی، چاہے وہ امیر ہوں یا مامور۔ محدثین کرام اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہاں حدیث شریف میں جو "نصیحت" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یہ بہت ہی جامع اور معنی خیز ہے، عربی زبان میں اس کا اصل معنی خالص اور بے کھوٹ ہونا ہے، انسان دوسرے کے لئے جتنی خیر و بھلائی چاہتا ہے، سب اس میں داخل ہیں اور اس کے لئے "نصیحت" سے کوئی زیادہ جامع لفظ دوسرا نہیں ہے۔

---

[١] صحيح مسلم :(كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ج١، ص٧٤)/ مسند احمدالرساله، مسند الشاميين، حديث تميم الداري، ج٢٨، ص١٣٨، ١٤٨)/سنن النسائی، النصيحة للإمام، ج٧، ص١٥٦، ١٥٧)/ المعجم الكبير لطبراني:(باب التاء، ما أسند تميم الداري، ج٢، ص٥٣، ٥٢)

اس روایت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ خیر خواہی دین اسلام کا اہم ترین حصہ ہے بلکہ یہاں تو یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ دین اسلام خیر خواہی ہی ہے، جب کسی چیز کے مختلف حصے ہوں جن میں سے بعض حصے دوسرے کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کے حامل ہوں تو ان حصوں کا تعارف کرتے ہوئے ایسی تعبیر اختیار کی جاتی ہے، مقصود یہ ہوتا ہے کہ یہ تو اس چیز کا اہم ترین اور نمایاں تر حصہ ہے چنانچہ حج کے متعلق بعض روایات میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ حج تو عرفہ ہی ہے یعنی عرفہ حج کے ضروری اور بنیادی فرائض میں سے ہے، اگر کسی کو عرفہ میں وقوف کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی تو اس کا حج ادا نہیں ہوا۔ یہاں بھی یہی بات سمجھائی جا رہی ہے کہ دین تو خیر خواہی ہی ہے، خیر خواہی دین اسلام کی اہم تعلیمات میں سے ایک ہے اور کوئی شخص اس خیر خواہی سے محروم ہو تو گویا اس کو دین اسلام کی دولت ہی نصیب نہیں ہوئی، وہ محروم ہی محروم رہا۔

صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے پوچھنے پر آپ ﷺ نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی کہ اس خیر خواہی کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب کے ساتھ بھی ہے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی ہے اور مسلمانوں کے ساتھ بھی۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب تو یہی ہے کہ اس کی وحدانیت پر ایمان لائی جائے، قرآن وحدیث میں اس کی جتنی صفات مذکور ہیں، ان پر پختہ اعتقاد اور مضبوط یقین رکھا جائے اور اس کے نازل کردہ دین واسلام کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھے جائے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ بھی خیر خواہی کا معنی یہی ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور اس کی ہدایات پر عمل کیا جائے۔ آپ ﷺ کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے

کہ آپ ﷺ کے حقوق بجالانے کی کوشش کی جائے اور اس کو اپنی زندگی کا مقصود بنایا جائے۔امت پر آپ ﷺ کے حقوق یہ ہیں کہ آپ ﷺ کی رسالت وصداقت پر دل وجان سے ایمان لایا جائے، آپ ﷺ کے ساتھ اپنے والدین اور اپنی جان سے زیادہ محبت کی جائے، سب سے بڑھ کر آپ ﷺ کی تعظیم واکرام کیا جائے اور تمام باتوں میں آپ ﷺ کی فرمان برداری اور اتباع کی جائے۔ علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب "الشفاء" میں اس پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔

مسلمان امراء کی خیر خواہی یہ ہے کہ جائز باتوں میں ان کی پابندی کی جائے اور جہاں تک ہو سکے، ان کی دشمنی اور خلاف ورزی سے بچا جائے جبکہ عام مسلمانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے حقوق پورے کئے جائیں، ان سے حسد ونفرت دل میں نہ رکھا جائے بلکہ جس طرح اپنے لئے دنیا اور آخرت کی بھلائی چاہتا ہے یوں ہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے دل میں یہ جذبات رکھے جائیں، چنانچہ "مسلم شریف" کی روایت ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لئے وہ کچھ پسند نہ کرلے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اسی کتاب "مسلم شریف" کی ایک روایت میں اس بات پر آپ ﷺ نے حلف اٹھایا کہ خدا کی قسم جو شخص اپنے پڑوسی یا (مسلمان) بھائی کے لئے وہ کچھ پسند نہ کرلے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اس وقت تک وہ مومن نہیں ہو سکتا، روایت کرنے والے کو شک ہے کہ حضور ﷺ نے پڑوسی کا لفظ استعمال فرمایا یا بھائی کا۔

دینِ اسلام میں اس نصیحت اور خیر خواہی کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ اس پر مسلمانوں سے عہد و بیعت بھی لیتے تھے، چنانچہ "صحیح بخاری" میں ہے کہ کوفہ کے امیر مشہور صحابی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا تو حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ سے خطاب فرمایا جس میں دیگر اہم باتوں کے ساتھ یہ بات بھی ارشاد فرمائی کہ میں حضور ﷺ کے پاس پہنچا اور ان سے اسلام پر بیعت لینے کا کہا تو آپ ﷺ نے (اسلام کے ساتھ) یہ شرط بھی لگائی کہ ہر مسلمان کے لئے خیر خواہی دل میں رکھوں گا، میں نے اس بات پر آپ ﷺ سے بیعت کی ہے۔

جب سے دنیا کے تمام شعبوں میں بے دینی اور دین بے زاری کی فضاء عام ہونا شروع ہوئی ہے، تو ساتھ ساتھ دیگر دینی تعلیمات کی طرح خیر خواہی کی یہ صفت بھی سمٹ سمٹ کر کمیاب ہوتی جارہی ہے اور ہر طرف خود غرضی اور نفسا نفسی کا ماحول بڑھ رہا ہے جس کی وجہ سے دنیا و آخرت دونوں کا نقصان ہو رہا ہے، دنیا کے نقصانات تو ہر عقل مند شخص دیکھ سمجھ سکتا ہے کہ باہمی پیار و محبت کی فضاء عنقاء ہو گئی ہے، خاندانی نظام کا شیرازہ بکھر کر ختم ہو گیا جس کی وجہ سے نفسیاتی، معاشی اور معاشرتی وغیرہ ہر سطح پر مختلف نقصانات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ آخرت کا نقصان یہ ہوا کہ خود غرض جذبات کے پروان چڑھنے کی وجہ سے مسلمان کے لئے بعض اہم دینی تعلیمات پر عمل کرنا مشکل ہو رہا ہے، چنانچہ اسی خیر خواہی کو لیجئے کہ احادیث مبارکہ میں اس کی کس قدر اہمیت ارشاد فرمائی گئی ہے لیکن اب اس پر عمل کرنے والے اور صحیح معنی میں اس کو دل میں جگہ دینے والوں کا قحط ہو رہا ہے۔ خدا تعالی ہی ہمارا حامی

وناصر ہو، ورنہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے ہلاکت کا سامان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

پڑوس کے حقوق اور ان کی اہمیت

عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْكُو جَارَهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اطْرَحْ مَتَاعَكَ فِي الطَّرِيقِ» قَالَ: فَجَعَلَ النَّاسُ يَمُرُّونَ بِهِ فَيَلْعَنُونَهُ، فَجَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا لَقِيتُ مِنَ النَّاسِ قَالَ: «وَمَا لَقِيتَهُ مِنْهُمْ؟» قَالَ: يَلْعَنُونِي قَالَ: «فَقَدْ لَعَنَكَ اللهُ قَبْلَ النَّاسِ» قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، فَإِنِّي لَا أَعُودُ، قَالَ: فَجَاءَ الَّذِي شَكَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «قَدْ أَمِنْتَ أَوْ قَدْ لَعَنْتَ» [1]

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس اپنے پڑوسی کی شکایت کرتا ہوا آیا آپ نے اسے فرمایا کہ اپنا سامان راستہ میں پھینک دو۔ اس نے اپنا سامان راستہ میں پھینک دیا، لوگوں گزرتے وقت اس کے ہمسائے کو لعنت ملامت کرنے لگے پس اس کا پڑوسی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ لوگوں کی باتوں سے مجھے بہت تکلیف پہنچی، آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں سے تم کو کیا پہنچا؟ کہا وہ مجھ پر لعنت بھیجتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے لعنت بھیجنے سے پہلے اللہ تعالی نے تم پر لعنت بھیجا ہے، اس نے کہا یا رسول اللہ پس میں دوبارہ نہیں لوٹوں گا، راوی

[1] المستدرك على الصحيحين للحاكم :(كتاب البر والصلة، وأما حديث عبد الله بن عمرو، ج٤، ص١٨٣)

فرماتے ہیں کہ شکایت کرنے والا نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، پس آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ تحقیق تو امن سے ہو گیا اور تو نے لعنت (بھی) بھیجی۔

فائدہ: اس حدیث مبارکہ سے پڑوس کے حقوق کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے، قرآن وحدیث میں ہم کو جن اچھے اخلاق کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان کا ایک ضروری اثر یا حصہ یہ بھی ہے کہ تمام مسلمانوں کے حقوق کی پوری نگہداشت رکھی جائے اور ان کی حق تلفی سے بچا جائے، پھر مسلمانوں کے مختلف طبقات ہیں اور سب کے اپنے حقوق ہیں، ان میں سے ایک اہم حصہ پڑوس اور پڑوسیوں کے حقوق کا ہے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جو شخص پڑوسیوں کے ضروری حقوق کا خیال نہیں رکھتا اور ناحق ان کو تنگ کرتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت ہوتی ہے، کہنے کو تو یہ بڑا مختصر اور چار حرفوں سے بنا آسان لفظ ہے لیکن یہ کس قدر خطرناک بات اور سنگین سزا ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اہل علم کے نزدیک اس کا معنی ہے: خدا تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہونا۔ جو بد نصیب شخص خدا تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہے، اس کے پاس باقی کیا بچتا ہے! دنیا اور آخرت میں بے چارے انسان کے لئے خدا کی رحمت ہی ایک مضبوط اور قابل اعتماد سہارا ہے، جب سہارا ہی ٹوٹ جائے تو پھر بربادی میں کیا تردد رہ جاتا ہے!

آج ہم جیسے مسلمانوں کی عملی صورت حال یہ ہے کہ مختلف دنیوی مصائب کے شکار ہیں، ہمارے گھر جو کبھی سکون واطمینان اور پیار ومحبت اور اعتماد وتسلی کے ساغر تقسیم ہوتے تھے، وہ اب پریشانیوں، ناہمواریوں اور باہم دلی

کدورتوں کے آماجگاہ بن چکے ہیں، آخرت کی تیاری کا یہ حال ہے کہ پورے دین پر عمل تو دور کی بات ہے، عبادات کی پوری پابندی بھی نصیب نہیں ہے، امت مسلمہ میں پانچ فیصد بھی ایسے افراد نہیں ہیں جو چار عبادات کے ٹھیک ٹھیک پابند ہوں۔ گویا دنیا بھی برباد اور ناکام ہے اور آخرت کی ناکامی کا بھی پورا بندوبست کر رکھا ہے۔ اس صورت حال کے مختلف اسباب وعناصر میں سے ایک بنیادی عنصر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم جیسے نابکار امتی ان بیسیوں گناہوں کے عادی ہو چکے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ نے لعنت کی خبر دی تھی۔ آج مسلمانوں کے تنزل وانحطاط پر ہر جگہ رونا رویا جارہاہے اور مختلف اسباب اور تدبیریں بتائی جاتی ہیں، کاش کچھ بندگانِ خدا اس تدبیر کا درست انتظام کر لیں۔

بداخلاقی کی وجہ سے نیک اعمال کا فائدہ نہ دینا

عن أبي يحيى، مولى جعدة، قال: سمعت أبا هريرة، رضي الله عنه يقول: قيل لرسول الله صلى الله عليه وسلم: إن فلانة تصلي الليل وتصوم النهار وفي لسانها شيء يؤذي جيرانها سليطة، قال: «لا خير فيها هي في النار» وقيل له: إن فلانة تصلي المكتوبة وتصوم رمضان وتتصدق بالأثوار وليس لها شيء غيره ولا تؤذي أحدا قال: «هي في الجنة» [1]

[1] المستدرك على الصحيحين للحاكم :(كتاب البر والصلة، وأما حديث عبد الله بن عمرو، ج٤، ص١٨٣)

ترجمہ: حضرت ابویحییٰ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ فلاں عورت رات کو نفل پڑھتی ہے، دن کو روزے رکھتی ہے زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اس میں کوئی خیر کی بات نہیں ہے وہ جہنم جائے گی۔ اور آپ ﷺ سے کہا گیا: کہ فلاں عورت فرض نماز پڑھتی ہے اور روزہ رکھتی ہے اور تھوڑا بہت صدقہ بھی کرتی رہتی ہے، اس کے علاوہ اس کا کوئی اور نیک عمل نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: کہ وہ جنت جائے گی۔

فائدہ: یہاں حضور ﷺ سے دو عورتوں کے متعلق پوچھا گیا ہے، ایک عورت رات کو نفل پڑھتی ہے، دن کو روزے رکھتی ہے یعنی خوب فرضی عبادات کے ساتھ ساتھ نفلی عبادات کی بھی خوب پابندی کرتی ہے لیکن زبان سے دوسرے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے، چنانچہ اخلاقی لحاظ سے کمزور عورتیں بلکہ مردوں کی بھی یہ عادت ہوتی ہے کہ چھوٹی موٹی باتوں پر کوسنا شروع کردیتے ہیں اور اس میں شرعی تعلیمات کا مطلق لحاظ نہیں رکھتے۔ دوسری طرف ایک اور خاتون ہے جو نفلی عبادات کا زیادہ اہتمام نہیں کرپاتی البتہ فرض نماز، روزہ وغیرہ کی پابندی کرتی ہے اور تھوڑا بہت صدقہ بھی کرتی رہتی ہے۔ آپ ﷺ نے پہلی عورت کے متعلق فرمایا کہ اس میں کوئی خیر کی بات نہیں ہے وہ جہنم جائے گی اور دوسری کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جنت جائے گی۔

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں کہ پہلی عورت نے نوافل کا تو اہتمام کیا لیکن فرائض کے بجالانے میں غفلت برتتی رہی چنانچہ مسلمان اور خاص کر پڑوسیوں کو تکلیف دینا حرام ہے اور اس سے رکنا فرض

ہے لیکن بد قسمتی سے یہ عورت اس فرض کو بجالانے سے غافل رہی، اس لئے جہنم اس کی تقدیر ہوئی۔اور دوسری عورت کے جنت جانے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے تمام ضروری احکام پر عمل کیا، اگر کچھ رہاہے تو وہ نفلی عبادات ہیں (جو اگرچہ اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتے ہیں لیکن) شریعت میں اس کو ضروری قرار دنہیں دیا گیا تواس کے چھوڑنے پر عذاب بھی نہیں ہے۔ پھر لکھاہے کہ ہمارے زمانے میں جولوگ عالم یا نیک وصالح کہلائے جاتے ہیں، وہ بھی اس بیماری میں مبتلا ہیں چنانچہ عالم لوگ عملی طور پر واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں اور نیک لوگ علمی طور پر کوتاہی کے شکار ہوتے ہیں کہ بہت سی چیزوں کا جاننادین کے لحاظ سے ضروری ہوتاہے لیکن یہ لوگ اس کے جاننے سے غفلت برتتےہیں اور صوفیاء کرام ہی وہ طبقہ ہے جو علم اور عمل کی کوتاہیوں اور غفلتوں سے محفوظ رہتاہے۔

بدزبانی چونکہ بد اخلاقی سے جنم لیتی ہےاور جب تک اخلاق کو اچھے طریقے سے درست نہیں کیا جاتا، تب تک بدزبانی سے بچنا نہایت مشکل ہے، اس لئے اس سے اچھے اخلاق کی اہمیت اور بد اخلاقی کا انجام بد بھی واضح ہو جاتاہے کہ ظاہری نیکی اور طرح طرح کی عبادات کے باوجود بھی اس کی وجہ سے آدمی جہنم جانے کا مستحق قرار پاتاہے۔ معلوم ہوا کہ نفلی عبادات سے زیادہ اہمیت کی چیز اخلاق کی درستگی ہےاور یہ بھی واضح ہوا کہ عبادات کا مقصود حاصل کرنے میں اچھے اخلاق کا بڑادخل ہے۔

ایمان کامل ہونے کے لئے باہم محبت ضروری ہے

عن أبي موسى الأشعري، رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «لن تؤمنوا حتى تحابوا أفلا أدلكم على ما تحابوا عليه؟» قالوا: بلى يا رسول الله. قال: «أفشوا السلام بينكم تحابوا، والذي نفسي بيده لا تدخلوا الجنة حتى تراحموا» قالوا: يا رسول الله كلنا رحيم. قال: «إنه ليس برحمة أحدكم ولكن رحمة العامة رحمة العامة»[۱]

ترجمہ: حضرت ابو موسی اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ ہر گز مؤمن نہیں بن سکتے جب تک آپس میں محبت نہیں کروں گے، کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس کی وجہ تم آپس میں محبت کرنے لگوں گے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ضرور بتائیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپس میں سلام پھلاؤ تم باہم محبت کرنے لگوں گے، اس ذات کی قسم جس کی قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم جنت داخل نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے رحم کا معاملہ نہ کرے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم سب رحیم ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تم میں سے کسی ایک کے رحم سے نہیں بلکہ عام رحم سے ہو گا (دو مرتبہ فرمایا)۔

فائدہ: اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ دین اسلام صرف عقائد اور عبادات ہی کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے کچھ ضروری تقاضے دل کے ساتھ بھی متعلق ہیں اور جس طرح عقیدے یا عبادات کے باب میں غفلت کی وجہ سے کوئی مسلمان

---

[۱] المستدرك على الصحيحين للحاكم :(كتاب البر والصلة، وأما حديث عبد الله بن عمرو، ج٤،١٨٥)

جنت جانے سے محروم ہو سکتا ہے یوں ہی دل سے متعلق بعض احکام بھی ایسے ہیں جن میں کوتاہی کی وجہ سے جنت سے محرومی ہو سکتی ہے، لہٰذا ایک کامل مسلمان کہلانے کا وہی شخص استحقاق رکھتا ہے جو دین کے تمام احکام کو اپنی زندگی میں قرار واقعی اہمیت دیدے کہ اس کے عقائد و نظریات بھی درست ہوں، عبادات اور معاملات بھی دینی احکام کی روشنی میں ہوں اور معاشرت واخلاق میں بھی وہ دینی تقاضوں کو اچھے طریقے سے بروئے کار لاتا ہو، ان میں سے جس حصہ میں بھی غفلت برتی جائے گی، اس قدر دین داری میں کمی آئے گی۔

حدیث سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ پیار و محبت کا معاملہ کرنا ایک دینی حکم ہے اور حکم بھی صرف ترغیبی نوعیت کا نہیں ہے کہ چاہے مسلمان اس کا اہتمام کریں یا نہ کریں بلکہ ضروری نوعیت کا حکم ہے کہ اس کے بغیر جنت جانا ممکن نہیں ہے اور اس محبت کے پیدا کرنے کے جس طرح دیگر عوامل ہیں، یوں ہی آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرنے کا بھی اس میں خاصا دخل ہے، مختلف احادیث مبارکہ میں جو سلام کو عام کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کے مختلف فوائد میں سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے باہم محبت کی فضاء پیدا ہوتی ہے، البتہ سلام صرف اپنے اہل تعلق یا جان پہچان والے لوگوں کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان کو سلام کر لینا چاہیے، احادیث مبارکہ میں یہ بات قیامت کی علامات میں سے شمار فرمائی گئی ہے کہ لوگ صرف اہل تعارف ہی کو سلام کرنے پر اکتفاء کریں۔

بعض روایات میں محبت پیدا ہونے کے لئے ہدیہ دینے کی بھی ترغیبی حکم دیا گیا ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہدایا اور تحفہ و تحائف کا تبادلہ بھی آپس میں پیار و محبت پیدا ہونے کا ایک بڑا اور مجرب سبب ہے۔ ان تعلیمات کی قدر و قیمت وہ شخص جان لے جس کو عقل وانصاف کی دولت ملی ہو، محبت جیسے دور رس جذبات واہداف کو حاصل کرنے کے لئے قدیم اور معاصر فلاسفہ نے کتنی تدبیریں کیں اور کس قدر لمبے لمبے راستوں کا خاک چھن چھن کر اس کو حاصل کرنا چاہا، لیکن ناکام ہی رہیں، آپ ﷺ نے بڑے آسان اور بہت کم خرچ والے ایسے راستوں کی رہنمائی فرمائی جو ہر لحاظ سے معقول، مفید اور مجرب ہے۔

پہلی امتوں کی بیماریوں کی نشاندہی

«سيصيب أمتي داء الأمم» فقالوا: يا رسول الله، وما داء الأمم؟ قال: «الأشر والبطر و والتناجش في الدنيا والتباغض والتحاسد حتى يكون البغي»[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ میری امت کو پہلی امتوں کی (روحانی اجتماعی) بیماریاں پہنچیں گی، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ سابقہ امتوں کی کونسی بیماریاں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اترانا، تکبر کرنا اکڑنا، دنیا کی چیزوں میں باہم مقابلہ کرنا اور ایک دوسرے سے حسد اور دشمنی کرنا یہاں تک کہ ان بیماریوں کی وجہ سے دینی حدود سے تجاوز کا ماحول پیدا ہو جائے گا۔

---

[1] المستدرك على الصحيحين للحاكم :(كتاب البر والصلة، وأما حديث عبد الله بن عمرو، ج٤، ص١٨٥)

فائدہ: حضور نبی کریم ﷺ نے اس حدیث شریف میں پیش گوئی فرمائی ہے کہ میری امت کو بھی پہلی امتوں کی (روحانی اجتماعی) بیماریاں پہنچیں گی، صحابہ کرام کے پوچھنے پر ان بیماریوں کی تفصیل بیان فرمائی۔ اس پیش گوئی کا مقصد کم ہمتی پیدا کرنا ہے اور نہ ہی ان بیماریوں کے وجود کو برداشت کرنے کی تلقین دینا۔ بلکہ امت کو متوجہ کرنا مقصود ہے تاکہ وہ اپنی استطاعت کی حد تک اس کے لئے پل باندھ باندھ کر سدّباب کی کوشش کرتے رہیں۔ ہم اس بات کے تو مکلف نہیں ہیں کہ کامیابی و کامرانی سے اپنی جھولی بھر دیں لیکن اسباب کے درجہ میں نیکیوں کو فروغ دینا اور برائیوں کو ختم کرنے کے لئے جائز اسباب اختیار کرنے کے پابند ہیں اور اسباب بھی ایسے ہوں جو مفید اور کارآمد ہو، صحیح نتائج اور اصل اہداف تک پہنچانے کے لئے مفید ہوں، ایسے اسباب کو بروئے کار لانے سے امید ہے کہ ہماری ذمہ داری پوری ہو جائے گی، اس کے بعد ان اسباب پر نتیجہ مرتب ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ ہمارے بس کی بات ہے اور نہ ہم اس کے پابند ہیں۔

اس روایت مبارکہ میں چند چیزوں کو سابقہ اقوام کی بیماری قرار دیکر ہمیں اس حوالہ سے بیدار رہنے کا سبق دیا گیا ہے کہ جب پہلی امتوں کو ان چیزوں سے کوئی فائدہ نہیں ملا بلکہ الٹا دنیا اور آخرت دونوں کے حق میں یہ چیزیں ان کے لئے وبال جان ہی ثابت ہوئی، ان کی وجہ سے ان کی دنیا بھی بے مزہ ہو گئی اور یہ بیماریاں دل کی جڑوں میں پیوست ہوئی تو دین کے تمام تر تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق بھی جاتی رہی، اس لئے آخرت کے لئے یہ چیزیں مضر ہی ثابت ہوئی پھر ان سے کوئی کیوں عبرت نہ لیں! یہ دنیا کوئی تجربہ گاہ تو ہے نہیں جہاں ہر شخص اپنی پوری زندگی تجربہ

ہی کرتا رہے اور مرنے کے بعد جب ناکامی ہر طرف سے اپنے گھیرے میں لے لے، پھر پریشان وہراساں ہو جائے بلکہ جس طرح دنیا کی چیزوں میں ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور ہر شخص ہر چیز کو اپنے تجربہ کے مرحلہ سے نہیں گزارتا، یوں ہی بلکہ اس سے زیادہ ترجیح اور اہمیت کی بات یہ ہے کہ دین وآخرت کے معاملے میں بھی ہم ہر چیز کا تجربہ نہ کریں کہ یہ زندگی بڑی محدود ہے اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج ہمیشگی نوعیت کے ہیں جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے، خاص کر جب قرآن وحدیث میں کوئی چیز وارد ہو جائے تو اس کو فوراً بے چوں وچرا تسلیم کرنا اور اس پر عمل درآمد کرنا شیوہ مسلمانی ہے۔

روایت مبارکہ میں جن چیزوں کو سابقہ لوگوں کا مرض قرار دیا گیا ہے، ان میں پہلی چیز "اشر" ہے، اس کا معنی اترانا ہے، علامہ مناوی رحمہ اللہ نے "جامع صغیر" کی شرح میں اس کا معنی کفران نعمت سے کیا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ یا دیگر مسلمان بھائیوں کی احسان فراموشی کرے، دوسری چیز "بطر" ہے جس کا معنی اکڑ اور غرور ہے، علامہ مناوی نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ خوشی اور نعمت کے موقع پر شرعی حدود سے تجاوز کرے، اس کے بعد دنیا کی چیزوں میں باہم مقابلہ کی نفسیات کو بھی ان امراض میں سے شمار کیا گیا ہے، پھر باہمی حسد وبغض اور کینہ وعداوت کو بھی امراض کی اس فہرست میں شامل فرمایا گیا ہے۔ آخر میں ان امراض کا انجام ونتیجہ بھی ذکر فرمایا گیا کہ ان کی وجہ سے دینی حدود سے تجاوز کا ماحول پیدا ہو جائے گا۔ اس وقت امت ایسی ہی صورت حال سے گزر رہی ہے، جن گناہوں کی یہاں نشاندہی فرمائی گئی تھیں، ان کی بہتات ہے اور امت کا بہت ہی کم طبقہ ایسا ہے جو

ان امراض سے ابھی تک محفوظ ہے، اس لئے ماحول بھی ایسا بن چکا ہے کہ دین کے تمام تقاضوں پر چلنا مشکل ہو چکا ہے، بد قسمتی کی حد یہ ہے کہ پھر دین کی تعلیمات پر اس سارے منظر نامے کا نزلہ ڈالا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ دین میں سختی ہے، مشقت ہے، اس میں لچک پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان جیسی تمام روحانی بیماریوں سے محفوظ رہنے اور پھر امت کی حفاظت کرتے رہنے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے محبت رکھنے کی اہمیت

عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ، قَالَ: دَخَلْتُ مَسْجِدَ دِمَشْقَ فَإِذَا فَتًى بَرَّاقُ الثَّنَايَا وَإِذَا النَّاسُ مَعَهُ إِذَا اخْتَلَفُوا فِي شَيْءٍ أَسْنَدُوا إِلَيْهِ وَصَدَرُوا عَنْ رَأْيِهِ فَسَأَلْتُ عَنْهُ فَقِيلَ: هَذَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ هَجَّرْتُ فَوَجَدْتُهُ قَدْ سَبَقَنِي وَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي قَالَ: فَانْتَظَرْتُهُ حَتَّى قَضَى صَلَاتَهُ ثُمَّ جِئْتُهُ مِنْ قِبَلِ وَجْهِهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ وَقُلْتُ: وَاللهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ فِي اللهِ فَقَالَ: آللهِ؟ فَقُلْتُ: آللهِ؟ فَقَالَ: آللهِ فَقُلْتُ: آللهِ قَالَ: فَأَخَذَ بِحُبْوَةِ رِدَائِي وَجَذَبَنِي إِلَيْهِ وَقَالَ: أَبْشِرْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّينَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِينَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِينَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِينَ فِيَّ [١]

[١] المستدرك على الصحيحين للحاكم :(كتاب البر والصلة، وأما حديث عبد الله بن عمرو، ج٤، ص١٨٦)المعجم الكبير للطبراني:(باب أبو إدريس الخولاني عائذ الله بن عبد الله، عن معاذ بن جبل، ج٢٠، ص٨٠)

ترجمہ: حضرت ابو ادریس خولانی سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ دمشق کی مسجد میں داخل ہوا، اچانک وہاں پر ایک چمکدار دانتوں والے نوجوان کو دیکھا، لوگ اس کے ارد گرد بیٹھے تھے، جب ان لوگوں کا آپس میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جاتا تو اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کی رائے سے فیصلہ صادر کرتے، تو میں نے اس آدمی کے بارے میں پوچھا، تو بتایا گیا کہ یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہے، کل جب میں گیا، تو میں نے آپؓ کو اپنے آپ سے پہلے نماز پڑھتے ہوئے پایا، راوی فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا انتظار کیا یہاں تک کہ انھوں نے اپنی نماز پوری کی، پھر میں آپ کے پاس سامنے کے جانب سے آیا اور آپ پر سلام کیا اور کہا کہ اللہ تعالی کی قسم میں آپ سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں، تو آپؓ نے فرمایا، کیا اللہ کے لئے؟ میں نے کہا ہاں! اللہ کے لئے، تو آپؓ نے پھر فرمایا کہ کیا اللہ کے لئے؟ میں کہا ہاں! اللہ کے لئے، راوی کہتے ہے کہ اس انھوں نے میری چادر پکڑی، اور مجھے اپنی طرف کھینچ کر فرمایا کہ خوش ہو جاؤ اس لئے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میری محبت واجب ہے ان لوگوں کے لئے جو میرے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں، اور میرے لئے آپس میں بیٹھتے ہیں، اور میرے لئے آپس میں خرچ کرتے ہیں، اور میرے لئے آپس میں ایک دوسرے کی ملاقات کرتے ہیں۔

فائدہ: اسباب کی اس دنیا میں محبت ہو یا نفرت، ہر چیز کے کچھ اسباب ہوتے ہیں، اس وقت مادیت کا دور دورہ ہے اور ہر طرف اس کے تذکرے وچرچے ہیں، اس لئے ہماری محبتوں اور نفرتوں، تعلقات جوڑنے اور توڑنے کے پسِ پشت عام طور پر دنیوی مفاد واغراض ہی ہوتے ہیں جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ہمارے دلوں میں مادیت نے بسیرا کر رکھا ہے اور دل ودماغ کے آفق پر مادیت کے پردے چھائے ہیں۔ قرآن وحدیث میں ہمیں اس بات کی تعلیم وہدایت کی گئی

ہے کہ ہماری محبتوں و نفرتوں اور جوڑ و توڑ کی اصل بنیاد خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی ہوں۔ جو شخص جس قدر زیادہ دین دار ہو، اس سے اسی قدر محبت کی جائے چاہے وہ خاندانی یا قومی لحاظ سے ہمارے مد مقابل ہی کیوں نہ ہو اور جو شخص جس قدر زیادہ خدا اور رسول ﷺ سے بغاوت کرتا ہے، اس سے اس قدر نفرت کی جائے اور دور رہا جائے۔ دوستی کرنی ہو تو بھی بنیاد یہی دین داری اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری ہو اور کسی سے دشمنی کرنی ہو تو بھی یہی وجہ کارِ فرما ہو، چنانچہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ "تیرا کھانا متقی شخص ہی کھائے"۔ اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر کسی سے محبت اور اسی کی خاطر نفرت بڑی نیکی ہے، احادیث مبارکہ میں اس کے بڑے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں، بعض روایات میں اس کو ایمان کے کامل ہونے کی نشانی قرار دیا گیا ہے کہ جو شخص ایسا کرے، اس کا ایمان کامل ہے۔

اس روایت مبارکہ میں ایسے افراد کے لئے اللہ تعالیٰ کی محبت ملنے کا پکا وعدہ فرمایا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، اسی کی خاطر آپس میں مل بیٹھتے ہیں، اسی کی خوشنودی کی خاطر اپنے مال خرچ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہونا نہایت سعادت اور مقبولیت کی بات ہے۔ یہ ناکارہ تو اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے نیک لوگوں کے جوتی اٹھانے کی اہلیت بھی نہیں رکھتا لیکن اللہ والوں کو دیکھا سنا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ انسان کے اعمال تب سدھرتے ہیں جب اس کے اخلاق وصفات درست ہو جائیں اور اخلاق تب ہی درست ہو جاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کی سچی محبت نصیب ہو جائے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت کا نصیب ہو جانا محض ایک انعام واحسان ہی نہیں بلکہ تمام احسانات کا پہلا زینہ

ہے،اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس سیاہ کار کو بھی اس عظیم دولت کا کچھ نصیب فرمائیں کہ وہ بہت ہی کریم اور بے حساب دینے والا ہے۔

"ترمذی"شریف کی روایت میں یہ مضمون بھی وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو لوگ میرے جلال کی بنیاد پر ایک دوسرے سے پیار ومحبت کرتے ہیں،ان کے لئے قیامت کے دن نور کے ایسے منبر ہوں گے(جن پر ان کو بٹھایا جائے گا)جن کو دیکھ حضرات انبیاء کرام اور شہداء بھی رشک کریں گے"۔

حسد وبغض دین داری کا جنازہ نکالتی ہیں

عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ: الْحَسَدُ، وَالْبَغْضَاءُ، وَالْبَغْضَاءُ هِيَ: الْحَالِقَةُ، حَالِقَةُ الدِّينِ لَا حَالِقَةُ الشَّعَرِ)) [1]

ترجمہ: حضرت زبیر بن عوامؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمہاری طرف رینگ آئی تم سے پہلے امتوں کی بیماری: دوسرے پر جلنا،اور شدید نفرت کرنا، اور شدید نفرت کرنا ہی دین کو مونڈنے والی ہے نہ کہ بالوں کو مونڈنے والی"۔

فائدہ:اس حدیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ ہمیں یہ سبق دیا گیا ہے کہ حسد اور بغض یہ دونوں ایسی بد اخلاقیاں اور مذموم عادتیں ہیں جو دین کا صفایا کرتی ہیں، جو سینے اپنے اندر کسی مسلمان کے متعلق حسد وبغض کے جذبات رکھتے ہیں،

---

[1] مسند أحمد ط الرسالة:(مسند العشرة المبشرين بالجنة، مسند الزبير بن العوام رضي الله عنه،ج٣،ص٢٩، ٤٣)/ السنن الكبرى للبيهقي: كتاب الشهادات، باب: شهادة أهل العصبية،ج١٠،ص٣٩٣)

وہاں ایک طرف تو دینی جذبات اور اچھے اخلاق نہیں ٹھہرتے جو بجائے خود محرومی اور جرم ہے لیکن اس کے ساتھ ایک سچی آزمودہ حقیقت یہ ہے کہ ایسے افراد کی صلاحیتوں کا قابل لحاظ حصہ انہی جذبات کی نذر ہو جاتا ہے، کبھی آنکھوں سے دیکھ جلنے کی کیفیت ہوتی ہے، کبھی کانوں سے متعلقہ افراد کی غیبت سن سن کر دلی خوش ہوتی رہتی ہے، بسااوقات زبان کا بے قابو ہو کر غیبت، تہمت اور بدزبانی پر اتر آنا اور کبھی نوبت یہاں تک جا پہنچتی ہے کہ محسود کے کمالات اور کامیابیوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کی قضاء وقدر کے بارے میں دل کے نہاں خانوں میں سوالات قائم اٹھائے جاتے ہیں حالانکہ یہ کفر کی دہلیز ہے، جس کے بعد کفر کے حدود شروع ہو جاتے ہیں۔

جس طرح دیگر جسمانی امراض کا اگر بروقت اور برمحل علاج نہ کیا جائے تو وہ بڑھ بڑھ کر اکثر اوقات موت کا سبب بن جاتے ہیں اور بروقت فکر مندی کی جائے تو صحت یابی نصیب ہو جاتی ہے، یوں ہی حسد، بغض، خود پسندی، کبر وغیرہ بھی ایسے امراض ہیں کہ فوراً ہی اس کے علاج کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے ورنہ خطرہ ہے کہ اگر یہ جذبات دل میں راسخ ہو جائیں تو دین اور نیکیوں کا صفایا کر دیں گے۔ پھر جس طرح جسمانی بیماریوں کے علاج ومعالجے کی خاطر بدنی اور مالی مشقت برداشت کی جاتی ہے، طرح طرح کی پسندیدہ چیزوں سے پرہیز کیا جاتا ہے اور اس کو عقل مندی اور ہوشیاری خیال کیا جاتا ہے، یوں ہی ان دلی اور رحانی بیماریوں کے علاج کے سلسلے میں بھی کچھ نہ کچھ مشقت برداشت ہی کرنی پڑے گی گو اس کا

علاج چونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہی کیا جاتا ہے،اس لئے عام طور پر اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت کچھ آسانیاں ملتی ہیں۔

یہ مسئلہ کچھ زیادہ تفصیل کا محتاج نہیں ہے بلکہ معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی اس کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ بدنی بیماریوں کا اثر بدن پر پڑتا ہے جو نظر آتا ہے،اس کا تکلیف میں ہونا اور پھر علاج میں مشقت کا ہونا تجربہ کی بات ہے جس کو بلا چوں وچرا ہم مانتے ہیں لیکن روحانی بیماریوں کا اصل اثر اور نتیجہ آخرت میں ظاہر ہوگا جو بار بار قرآن وحدیث میں ذکر ہے لیکن ہمارا اپنی آنکھوں اور مشاہدہ پر جس طرح اعتماد و تسلی ہے ،اس طرح قرآن وحدیث کے وعدوں اور وعیدوں پر نہیں ہے۔

نیکی میں اچھے اخلاق کی اہمیت

عن النواس بن سمعان الأنصاري، قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم، عن البر والإثم فقال: «البر حسن الخلق، والإثم ما حاك في صدرك، وكرهت أن يطلع عليه الناس». [1]

ترجمہ: حضرت نواس بن سمعان انصاریؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نیکی اور گناہ کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ جو تیرے سینے میں کھٹکے اور تو اس پر لوگوں کے مطلع ہونے کو ناپسند کرے۔

---

[1] صحيح مسلم:(كتاب البر والصلة والآداب، باب تفسير البر والإثم،ج٤،ص١٩٨٠)/ كتاب البيوع، باب وأما حديث إسماعيل بن جعفر بن أبي كثير،ج٢،ص١٧)

فائدہ: اس حدیث شریف میں نیکی کی شرح حسن خلق کے ساتھ فرمائی گئی ہے، پوچھا گیا کہ نیکی اور بدی کیا چیز ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ نیکی نیک اخلاق ہے، ویسے تو اور نیکیاں بھی ہیں، نماز، روزہ اور دیگر عبادتیں بھی بڑی بڑی نیکیاں ہیں، صرف اچھے اخلاق ہی نیکی نہیں ہیں، تاہم ایک تو نیک اخلاق بجائے خود ایک بڑی نیکی ہے جس پر قرآن و حدیث میں بڑی تاکید کی گئی ہے، ساتھ اخلاق کی درستگی بڑی مشکل سے ہوتی ہے، دیگر عبادات اور نیکیوں کی بنسبت اخلاق بڑی مشکل سے سدھرتے ہیں اور ساتھ اس کی افادیت بھی بہت ہے، چنانچہ اگر اخلاق درست ہو تو انسان دیگر گناہوں سے رُکا رہے گا، اگر کہیں کوئی گناہ صادر بھی ہو جائے تو بھی اس پر اصرار نہیں کرے گا بلکہ توبہ کرنے کا اہتمام کرے گا، گویا اخلاق کی درستگی پورے دین پر چلنے اور چلتے رہنے کا پائیدار اور مضبوط ذریعہ ہے۔

حدیث مبارکہ کے دوسرے جملے میں گناہ کی وضاحت فرمائی گئی ہے، گناہ وہ چیز ہے جو دل میں کھٹک پیدا کرے اور انسان اس کو لوگوں سے چھپانا چاہے۔ واقعۃً گناہ کی یہی حالت ہوتی ہے اور سلیم فطرت شخص لوگوں کے سامنے اس کا اظہار نہیں کر پاتا، اسلامی معاشرے اور مسلمان افراد کا یہی حال ہونا چاہئے کہ ان کے ہاں گناہ عیب و مذمت گردانا جاتا ہو، لیکن اب ہم بے دینی کے اس موڑ پر جا پہنچے ہیں جہاں گناہ سے نفرت کی عادت ختم ہو رہی ہے، بہت سے گناہ روزِ مرہ کے ایسے معمول بن چکے ہیں جن کو گناہ کہنا سننا ہی گوارا نہیں ہوتا، چنانچہ بے پردگی، نماز کی پابندی نہ کرنا، خلاف واقع باتیں کرنا، تصویر کھینچنا کھنچوانا وغیرہ دسیوں گناہ ایسے ہیں جن کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا چہ جائیکہ اس کو معیوب یا باعث ذلت سمجھا جائے، اس لئے اس

وقت اگر کسی کام پر دل نادم وپریشان نہ ہو اور لوگوں سے چھپانے کا جذبہ دل میں پیدا نہ ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ وہ گناہ نہیں ہے بلکہ اہل علم کی طرف رجوع کرنا اور ان سے دینی رہنمائی حاصل کرتے رہنا ضروری ہے، اپنے دل ومزاج پر اعتماد کرنا گمراہی کا دروازہ ہے جس سے بچتے ہی رہنا چاہئے۔

اخلاص کے بغیر عمل قبول نہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِي غَيْرِي، تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ "[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں شرک والوں کی شرک سے بے پرواہوں، جو آدمی میرے لئے کوئی ایسا کام کرے کہ جس میں میرے علاوہ کوئی میرا شریک ہو تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں ہمیں اخلاص کی قدر واہمیت سمجھائی گئی ہے، نیک اخلاق میں سے اہم خلق بلکہ دیگر نیکیوں کی اصل واساس اخلاص ہے، اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ دینی احکام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دین کی فرمانبرادی ہی کے لئے انجام دیئے جائیں، دینی کام سے کوئی دنیوی غرض مقصود نہ ہو، دنیوی غرض کے مقصود ہونے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں اور سب اخلاص کے خلاف ہیں، مثال کے طور پر کوئی شخص نام ونمود کے لئے صدقہ کرتا ہے، صحت حاصل کرنے کے لئے

[1] صحيح مسلم :(كتاب الزهد والرقائق، باب من أشرك في عمله غير الله،ج٤،ص٢٢٨٩)

کسی سنت طریقے پر عمل کرتا ہے، معاشرے میں اپنی عزت و وقار بلند کرنے کے لئے کوئی نیکی انجام دیتا ہے۔

یہ اخلاص عمل کی روح ہے جس طرح انسانی لاش خواہ کتنی ہی موٹی اور مضبوط دکھائی دے لیکن جب تک اس کے اندر روح کی طاقت نہیں ہوگی، اس وقت تک وہ انسان کہلانے کی مستحق ہے اور نہ ہی انسان کی طرح اٹھک بیٹھک کر سکتی ہے اور روح ہو تو بدن خواہ کتنا ہی لاغر کیوں نہ ہو لیکن وہ انسان کا مصداق بھی ہے اور انسان کی طرح نقل و حرکت بھی کر سکتا ہے، یوں ہی نیک اعمال کا بھی حال ہے، جن اعمال کو نیکی کے کام سمجھتے ہیں، ان میں اگر اخلاص کی روح موجود ہو تو وہ عمل قیامت کے دن نیک عمل کہلانے کا مستحق ہوگا، اور کسی نہ کسی درجے میں فائدہ مند ثابت ہوگا اور اگر اخلاص کی روح موجود نہ ہو تو ظاہری نگاہوں میں خواہ وہ کتنا ہی بڑا عمل کیوں نہ ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی قبول نہیں ہے اور آخرت میں بھی اس کا کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوگا۔

اس وقت ہماری صورت حال یہ ہے کہ اول تو نیک اعمال ہیں کم، گناہ اس کی بنسبت زیادہ اور بہت زیادہ ہیں اور پھر جو رہے سہے نیک اعمال ہیں بھی وہ اخلاص کے جوہر سے عام طور پر خالی ہی ہوتے ہیں، اس لئے ان اعمال کا ہماری زندگی پر کوئی دیرپا اثر ظاہر نہیں ہوتا، نہ اس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوستی کا تعلق بڑھتا ہے اور نہ ہی دلی جذبات و کیفیات میں کوئی خاطر خواہ فائدہ ظاہر ہوتا ہے۔

دین داری کے لئے قربانی وریاضت کی اہمیت

أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ خَافَ أَدْلَجَ، وَمَنْ أَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ، أَلاَ إِنَّ سِلْعَةَ اللهِ غَالِيَةٌ، أَلاَ إِنَّ سِلْعَةَ اللهِ الجَنَّةُ.[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو ڈرتا ہے وہ ابتدائے شب سے سفر کرتا ہے، اور جو ابتدائے شب سے سفر کرتا ہے وہ منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے، سنو! اللہ کا سامان بہت گراں ہے، سنو! اللہ کا سامان جنت ہے۔

فائدہ: جس شخص کو راستہ میں جان یا مال لوٹے جانے کا اندیشہ ہو، وہ صبح سویرے سفر کرنا شروع کرتا ہے یا اس سے بھی کچھ پہلے رات کے اندھیرے میں جا نکلتا ہے، خطرے کے ماحول ایسا ہی شخص صحیح وسالم منزل پہنچتا ہے، جو شخص سستی، غفلت سے کام لیتا ہے اور کچھ تاخیر سے نکلے یا عام معمول کے مطابق سورج چڑھتے وقت نکلے تو ایسے شخص کا سلامتی کے ساتھ منزل پہنچنا یقینی نہیں ہوتا بلکہ غالب یہی ہوتا ہے کہ اس کی جان ومال لوٹ لی جائے گی اور اگر کہیں صحیح وسالم بھی نکلے تو بھی یہ خطرہ تو بہر حال قدم قدم پر رہتا ہے۔

اس مثال کے ذریعے ہمیں سمجھا جا رہا ہے، دنیا بھی ایک سفر کے مانند ہے جہاں ہر شخص گزر کر اپنی منزل کے قریب ہو رہا ہے، جنت کے راستوں میں جگہ

---

[1] سنن الترمذي ت بشار: (أبواب الزهد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، ج٤، ص٢١٤)/ مسند احمد الرسالة: (مسند الأنصار، باب حديث الطفيل بن أبي بن كعب، عن أبيه ، ج٣٥، ص١٦٦)شرح السنة للبغوي: (كتاب الرقاق، باب الخوف من الله عز وجل، ج١٤، ص٣٧١)

جگہ نفس وشیطان اور اس کی آلہ کار طاقتیں ڈھیرے لگائے بیٹھے ہوتے ہیں جو ہر گزرنے والے کو مختلف قسم کے گناہوں اور گمراہیوں میں پھنسا کر وہاں سے لٹادیتے ہیں، اس لئے اگر کوئی شخص دل سے یہ بات چاہتاہے کہ جنت جائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ خوب حزم واحتیاط سے کام لے لے اور جس طرح سنجیدہ مسافر اپنی جان ومال بچانے کے لئے رات کے آرام وراحت کو قربان کرتاہے، عام معمول کو چھوڑ کر اپنے اوپر کچھ بوجھ برداشت کرتا ہے یوں ہی جنت کے اس مسافر کے لئے بھی ضروری ہے کہ بہت سی ایسی چیزوں کو چھوڑ دے جہاں گناہ وگمراہی میں پھنسنے کا اندیشہ ہو،اس کے لئے اگر کچھ رسم ورواج کو چھوڑنا پڑے تو بصد شوق چھوڑ دے ورنہ خطرہ ہی خطرہ ہے۔

اس کے بعد حدیث شریف میں یہ بات بھی سمجھائی گئی کہ ہماری اس دین داری اور دینی احکام پر عمل کرنے کے بدلے ہمیں جو بدلہ ملے گا، وہ بہت مہنگا ہے، جس طرح مہنگے پلاٹ یا گاڑی خریدنے کے لئے اس کے شایان شان رقم ہونی چاہیئے، ورنہ سو روپے دیکر کروڑ کی زمین کا سودا کرنے والا بے وقوف سمجھا جاتا ہے، یوں ہی جنت تو بہت ہی مہنگی چیز ہے اور اس کے لئے اس کے شایان شان قیمت ہونی چاہیئے۔ ہمارے اعمال تو کسی طرح اس قابل نہیں ہیں کہ ان کے بدلے جنت جیسی نعمتوں اور لذتوں کا استعارہ نصیب ہو جائے لیکن خدا تعالیٰ کا فضل وکرم ہوا اور اپنی مہربانی سے یہ ضابطہ مقرر فرمایا کہ نیک اعمال غالب ہو تو جنت دیدی جائے گی۔ ایسے سودا حاصل کرنے کے لئے بہت کچھ محنت کی ضرورت ہے،اس کے لئے جان کیا ہزار جانیں بھی کوئی قربان کرے تو کم ہے۔

آپ ﷺ کی تین اہم نصیحتیں

عَنْ أَبِي ذَرٍّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَـهُ:: اتَّـقِ اللهَ حَيْـثُمَا كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ "[1]

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور برائی کے بعد بھلائی کرو تاکہ وہ اسے مٹادے اور لوگوں کے ساتھ خوش خلقی سے ملو۔

فائدہ: اس روایت مبارکہ میں تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے اور تینوں ہی باتیں بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ مسلمان جہاں بھی ہو، اس کو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہی رہنا چاہیے، چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت کسی جگہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر جگہ ہے، اس لئے جہاں بھی مسلمان رہے، اس پر خدا تعالیٰ کا خوف وخشیت طاری ہونا چاہیے اور کوئی بھی ایسا کام کرنے سے گریز کرتے رہنا چاہیے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔ تقوی کا مطلب صرف زبانی طور ڈرنے کا دعوی کرنا نہیں ہے بلکہ تقویٰ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی بھرپور

---

[1] مسند أحمد ط الرسالة :(مسند الأنصار، باب حديث أبي ذر الغفاري رضي الله عنه ،ج٣٥،ص ٢٨٤، ٣١٩)/سنن الترمذي ت بشار:(أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في معاشرة الناس،ج٣،ص٤٢٣)/سنن دارمي:(ومن كتاب الرقاق، باب: في حسن الخلق،ج٣، ص١٨٣٧)/المعجم الصغير للطبراني:(باب العين، من اسمه علي،ج١ ،ص٣٢٠/ المعجم الكبير للطبراني:(باب ميمون بن أبي شبيب، عن معاذ بن جبل،ج٢٠،ص١٤٤)/مكارم الأخلاق لطبراني:(باب ما جاء في حسن الخلق،ج١،ص٣١٦)/ المستدرك على الصحيحين للحاكم:(كتاب الإيمان،باب وأما حديث سمرة بن جندب،ج١،ص١٢١)

رعایت رکھی جائے، جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے،اس کو کسی قیمت پر نہ چھوڑا جائے اور جن باتوں سے منع فرمایا گیا ہے،اس سے ہر قیمت پر باز ہی رہنا چاہئے۔"طریقہ محمدیہ" میں تقوی کا معنی یہ لکھا ہے کہ جو چیزیں انسان کے لئے آخرت میں ضرر رساں ثابت ہو سکتی ہے،ان سے آدمی ڈرتا رہے اور بچتا رہے۔

اس روایت میں ددوسری نصیحت کا حاصل یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی گناہ صادر ہو جائے تو اس سے فوراً توبہ کیا جائے اور ساتھ کچھ نیکی بھی انجام دے، یہ نیکی اس بدی کو مٹائے گی،اس کا اثر اور بے برکتی ختم ہو جائے گی۔ تیسری نصیحت یہ ارشاد فرمائی کہ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق استعمال کرو۔ان کے ساتھ اچھا رویّہ برتتے رہیں، یہ ہمارے دین کا اہم ترین حصہ ہے،اچھے اخلاق وعادات اپنانا اور اس کے مطابق اپنے عملی رویّوں کو تشکیل دینا بڑی نیکی اور اجر وثواب کا کام ہے،البتہ اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ نرم نرم بات کرنا اور ہنستے چہرے کے ساتھ ملنا کافی ہے چنانچہ بہت سے لوگ نیک اخلاق کا یہی مطلب لیتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے،اس بات میں شبہ نہیں ہے کہ نرم رویّہ رکھنا اور ہنس مکھ چہرے کے ساتھ ملنا نیکی کی بات اور اچھے اخلاق کا مظاہرہ ہے مگر صرف اتنی سے بات میں اچھے اخلاق کو بند سمجھنا بالکل غلط اور سخت بے جا بات ہے۔نیک اخلاق کا بڑا وسیع مفہوم ہے اور اس کا اصل مرکز انسانی دل ہے،زبانی باتیں یا چہرے کا تبسم تو بعض نیک اخلاق کا ظاہری اثر ہے، کوئی شخص اسی پر اکتفاء کرے اور اس کے بعد اخلاق کی درستگی نہ کرے وہ غلط فہمی کا شکار اور بہت سے خیر سے محروم ہے۔

جہنم پر حرام اشخاص کے اخلاق

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ، أَوْ مَنْ تُحَرَّمُ عَلَيْهِ النَّارُ؟ عَلَى كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيبٍ سَهْلٍ»[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں بتاؤں کہ وہ شخص کون ہے جو آگ پر حرام ہوگا اور جس پر آگ حرام ہوگی؟ تو (سنو) دوزخ کی آگ ہر اس شخص پر حرام ہوگی جو نرم مزاج، نرم طبیعت، لوگوں کے قریب اور نرم خو ہو۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں اہتمام اور تاکید کے ساتھ یہ بات فرمائی گئی کہ جن لوگوں میں یہ چار صفات موجود ہوں، ان پر جہنم کی آگ حرام کردی گئی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ کبھی جہنم نہیں جائیں گے، چاروں صفات قریب قریب ہیں، سب کا حاصل یہ ہے کہ نرم مزاج واخلاق کے حامل ہو اور لوگوں کے ساتھ نرم وسہولت والا رویہ اور بے تکلف تعلق رکھتے ہوں، کوئی ان سے ملنا چاہے یا کچھ استفادہ کرنا چاہے تو بے ضرورت حجابات آڑے نہ آتے ہوں۔ حضرات صحابہ کرام اور سلف صالحین کا زندگی بھر یہی طرز رہا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ

[1] مسند ابن أبي شيبة:(باب ما رواه عبد الله بن مسعود، عن النبي صلى الله عليه وسلم، ج١،ص٢٧٢)/ سنن الترمذي ت بشار :(أبواب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، ج٤،ص٢٣٥)/ المعجم الكبير للطبراني:(بان العين، ج١٠،ص٢٣١)/مصابيح السنة:(كِتَابُ الآدَابِ، باب الرفق والحياء وحسن الخلق، ج٣،ص٣٩٨)

عنہ کے قصے تو بہت ہی مشہور اور زبان زد ہے کہ لوگ ان کے کمالات، انتظامات اور فتوحات کی خبریں سن سن کر ذہنوں میں عجیب نقشہ قائم کرتے تھے اور جب ان سے ملنے کے لئے مدینہ منورہ حاضر ہوتے، آپ کو دیکھ سن کر بہت ہی حیران ہو جاتے کہ آپ کے پاس نہ کوئی دربان تھا، دنیا جہاں کے بادشاہوں کی طرح کوئی شاہانہ مجلس اور ان جیسی ٹھاٹ باٹ کچھ نہ ہوتا تھا، نہایت سادگی کے ساتھ عام مسلمانوں جیسی زندگی اختیار کرتے تھے، غریب سے غریب اور بے سہاروں کا بے سہارا شخص بھی آسانی کے ساتھ آپ سے مل لیتا تھا اور آزادی کے ساتھ آپ سے بات کرلیتا تھا حالانکہ آپ دنیا کے بڑے حصہ پر حکومت کرتے تھے اور حکومت بھی بہت مثالی اور معیاری جس کو آج بھی عقیدت کے سلام پیش کئے جاتے ہیں۔

جن سلف کا حکومت اور سلطنت کے ساتھ براہ راست واسطہ نہ تھا، ان کی زندگی میں یہ وصف خوب نمایاں تھی، پھر سلف تو سلف تھے، ہمارے ماضی قریب میں بہت سے بزرگ ان صفات کے حامل ہوتے تھے، ان کی زندگی کا بڑا حصہ عام مسجد میں گزرتا تھا جہاں پانچوں وقت لوگ حاضر ہو کر نماز بھی پڑھتے تھے اور کچھ کہنا سننا ہوتا تو اس کا کام بھی ہوتا تھا۔اب رفتہ رفتہ یہ صفات وعادات کم ہوتے جا رہے ہیں، اس سادگی اور بے تکلفی کی جگہ طرح طرح کے تکلفات راج پا رہے ہیں۔

اس روایت مبارکہ میں جن چار صفات کی بنیاد پر جہنم کی آگ حرام ہونے کی پیش گوئی فرمائی گئی ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ صفات اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتے جب تک کہ دل تواضع اور اللہ تعالیٰ کی سچی اور مضبوط محبت سے سرشار نہ ہو،

یہ دونوں اخلاق نصیب نہ ہوں تو نرم جوئی، سہولت کاری اور بے تکلفانہ طور پر ہر خاص وعام مسلمان کے ساتھ پیش آنا بڑا مشکل ہے، ایک آدھ دن اگر تکلف کے ساتھ ایسا کیا بھی جائے تو بھی پائیدار طریقے سے اس کو برقرار رکھنا جس طرح حدیث شریف کا تقاضا ہے، بڑا مشکل اور عملی لحاظ سے شاید ناممکن ہو۔

دنیا کی محبت اور اس کے نقصانات

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَتِ الآخِرَةُ هَمَّهُ جَعَلَ اللهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَجَمَعَ لَهُ شَمْلَهُ، وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ، وَمَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ جَعَلَ اللهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَفَرَّقَ عَلَيْهِ شَمْلَهُ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلاَّ مَا قُدِّرَ لَهُ.[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو آخرت کی فکر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو مستغنی کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کی پراگندہ حالی کو درست فرمادیتے ہیں، اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے، اور جس شخص کو دنیا کی فکر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی محتاجگی اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کر دیتے ہیں، اور اس کے احوال کو پراگندہ کر دیتے ہیں، اور دنیا اس کو بس اتنی ہی ملتی ہے جتنی اس کے لئے مقدر ہے۔

فائدہ: دین اسلام نے ہمیں جن نیک اخلاق وعادات اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دنیا سے محبت نہ ہو اور فکرِ آخرت کو دل ودماغ

---

[1] سنن الترمذي ت بشار :(أبواب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، ج ٤، ص ٢٢٤)

پر غالب رکھا جائے، چنانچہ امام غزالی رحمہ اللہ وغیرہ جن علماء کرام نے اسلامی اخلاق کے موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، انہوں نے برے اخلاق اور مذموم صفات میں دنیا کی محبت کا تذکرہ بڑے اہتمام سے فرمایا ہے۔اس حدیث شریف میں فکرِ آخرت کے ظاہری فوائد ذکر فرمائے ہیں اور ساتھ دنیا کی محبت کے ظاہری نقصانات بھی ذکر فرمائے گئے ہیں۔جو شخص آخرت کی فکر اپنے اوپر غالب کرتا ہے اور اسی کو اپنا مقصود زندگی بناتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غناء اور بے نیازی رکھ دیں گے، اس کے بکھرے کاموں کو جمع فرمادیں گے جس کی وجہ سے وہ مختلف قسم کے افکار وپریشانیوں کا شکار نہیں ہوگا اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آئے گی، جس کی وجہ سے وہ دنیا کے حاصل کرنے میں ذلیل نہیں ہوگا۔

جو شخص چاہے، اس شاہی فرمان کا مشاہدہ کرکے دیکھ لیں، ہم نے سینکڑوں جگہ دیکھا ہے کہ جو لوگ سچے معنی میں آخرت ہی کو مقصود بنا کر رکھتے ہیں، ان کا یہی حال ہوتا ہے، بڑے سکون واطمینان سے ان کی زندگی گزر رہی ہوتی ہے، دلجمعی کی صفت ان کو حاصل ہوتی ہے اور دنیا کی جن چیزوں کی خاطر لوگ بے آرام سکون ہوتے ہیں، وہ چیزیں ان کے پاس خود پہنچ جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح جو انعامات ایسے لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے ان کی دنیوی زندگی بھی راحت کے ساتھ گزر جاتی ہے اور آخرت کی کامیابی تو ان کا مقصود زندگی ہے، اس لئے وہاں تو غالب گمان یہی ہے کہ خدا تعالیٰ بڑے مہربانیوں سے نوازے گا۔

اس کے بالمقابل جو لوگ دنیا ہی کو مقصود زندگی بنالیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا فقر واحتیاج اس کی آنکھوں کے سامنے رکھ دیتے ہیں یعنی اس کا احتیاج بالکل واضح

ہوتا ہے،اس کے امور کو منتشر فرمادیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ مختلف افکار وتصورات میں مشغول رہے گا حالانکہ اس کو دنیا میں سے اتنا ہی ملتا ہے جتنا مقدر میں لکھا ہوا ہوتا ہے،اس کی انتھک کوششوں کے باوجود تقدیر سے زیادہ دنیا کا ساز وسامان نہیں ملتا۔اس کا بھی ہر کوئی تجربہ کر سکتا ہے،جو لوگ دنیا کے طالب ہیں اور اسی کو مقصودِ زندگی بنائے بیٹھے ہیں،ان کی زندگیاں ان باتوں کی تصویر ہے،ان کی ضرورتوں اور احتیاج میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے،دولت کے انبار اگر جمع بھی ہوتے ہیں تو بھی اس کے خرچ کے لئے بھی نت نئے سراخ پیدا ہوتے رہتے ہیں،طرح طرح کی خواہشات کی وجہ سے وہ پھر بھی برقرار ہی رہتا ہے،متنوع قسم کی خواہشات اور احتیاج کی وجہ سے ان کی سوچ وافکار کے زاویے بھی بہت ہوتے ہیں، کبھی ایک جہت میں مصروف فکر رہتے ہیں، کبھی دوسری طرف کی منصوبہ بندی شروع ہو جاتی ہے، یوں ہی برف کی طرح زندگی پگھل پگھل کر ختم ہوتی رہتی ہے لیکن اس قدر مصروفیت ،پریشانی اور مسلسل کوششوں کے باوجود ان کو دنیا کے اسباب ودولت میں سے بھی اتنا ہی ملتا ہے جتنا ان کی نصیب میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔یہ توان کی دنیوی زندگی کا حال تھا جو ان کے سوچ وفکر اور ان کی محنت ومصروفیت کی جولان گاہ ہے، جہاں تک آخرت کا معاملہ ہے تو چونکہ وہ ان کے بنیادی مقاصد واہداف کا حصہ ہی نہیں رہا،اس لئے وہاں کے حشر کے بارے میں بھی خوف ہی خوف ہے۔

ترمذی ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نقل فرمایا: "اے آدم کے بیٹے: تو میری بندگی کے لئے اپنے آپ کو فارغ

کردو، میرا تیرا سینہ غنا سے بھر دوں گا اور تیرا فقر واحتیاج بند کردوں گا اور اگر تو نے ایسا نہیں کیا تو میرے تیرے ہاتھ شغل سے بھر دوں گا اور تیرا احتیاج ختم نہیں کروں گا۔"

اس وقت ہر طرف مادیت کا دور دورہ ہے، ہر جگہ متاعِ دنیا مقصودِ حیات بن چکا ہے، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہی ہے کہ مادیت کے اس خطرناک اور تلاطم خیز سیلاب میں اللہ کے کچھ خاص بندے ایسے بھی ہیں جن کے نزدیک اب بھی یہ دنیا حقیر ہی ہے،ان کا اس کے ساتھ کچھ لینا دینا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ، اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے پورے دین پر عمل کرنا اور معاشرے میں دین کا بول بالا کرنا ان کا مقصودِ زندگی ہے،ان کی زندگی ہم جیسے دنیا کے حریص لوگوں کے لئے مشعل ہدایت اور مینارہ نور ہے، اللہ تعالیٰ ان کی خدمت کرتے رہنے اور ان سے کچھ سیکھنے کی توفیق نصیب فرمائیں اور دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری بداعمالیوں اور ناقدشناسی کی وجہ سے ان جیسی ہستیوں سے امت کو محروم نہ فرمائیں۔

۲۳ذی القعدہ ۴۴ھ۔ قبیلِ عصر۔دارالافتاء جامعہ محمدیہ، مردان